اُردو

بال بھارتی

آٹھویں جماعت

بھارت کا آئین

حصہ 4 الف

بنیادی فرائض

حصہ 51 الف

بنیادی فرائض – بھارت کے ہر شہری کا یہ فرض ہوگا کہ وہ...

(الف) آئین پر کاربند رہے اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے۔

(ب) ان اعلیٰ نصب العین کو عزیز رکھے اور ان کی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

(ج) بھارت کے اقتدارِ اعلیٰ، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرکے ان کا تحفّظ کرے۔

(د) ملک کی حفاظت کرے اور جب ضرورت پڑے قومی خدمت انجام دے۔

(ہ) مذہبی، لسانی اور علاقائی وطبقاتی تفرقات سے قطع نظر بھارت کے عوام الناس کے مابین یک جہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دے نیز ایسی حرکات سے باز رہے جن سے خواتین کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

(و) ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرے اور اُسے برقرار رکھے۔

(ز) قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے اور بہتر بنائے اور جانداروں کے تئیں محبت وشفقت کا جذبہ رکھے۔

(ح) دانشورانہ رویے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی و اصلاحی شعور کو فروغ دے۔

(ط) قومی جائداد کا تحفظ کرے اور تشدد سے گریز کرے۔

(ی) تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لیے کوشاں رہے تاکہ قوم متواتر ترقی وکامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرمِ عمل رہے۔

(ک) اگر ماں باپ یا ولی ہے، چھے سال سے چودہ سال تک کی عمر کے اپنے بچے یا وارڈ، جیسی بھی صورت ہو، کے لیے تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔

سرکاری فیصلہ نمبر : ابھیاس-۲۱۱۶/ (پر۔نمبر۱۶/۴۳) ایس ڈی-۴ مؤرّخہ ۲۵/اپریل ۲۰۱۶ء
کے مطابق قائم کردہ رابطہ کار کمیٹی کی ۲۹/دسمبر ۲۰۱۷ء کو منعقدہ نشست میں اس کتاب کو
تعلیمی سال ۱۹-۲۰۱۸ء سے درسی کتاب کے طور پر منظوری دی گئی۔

اُردو

بال بھارتی

آٹھویں جماعت

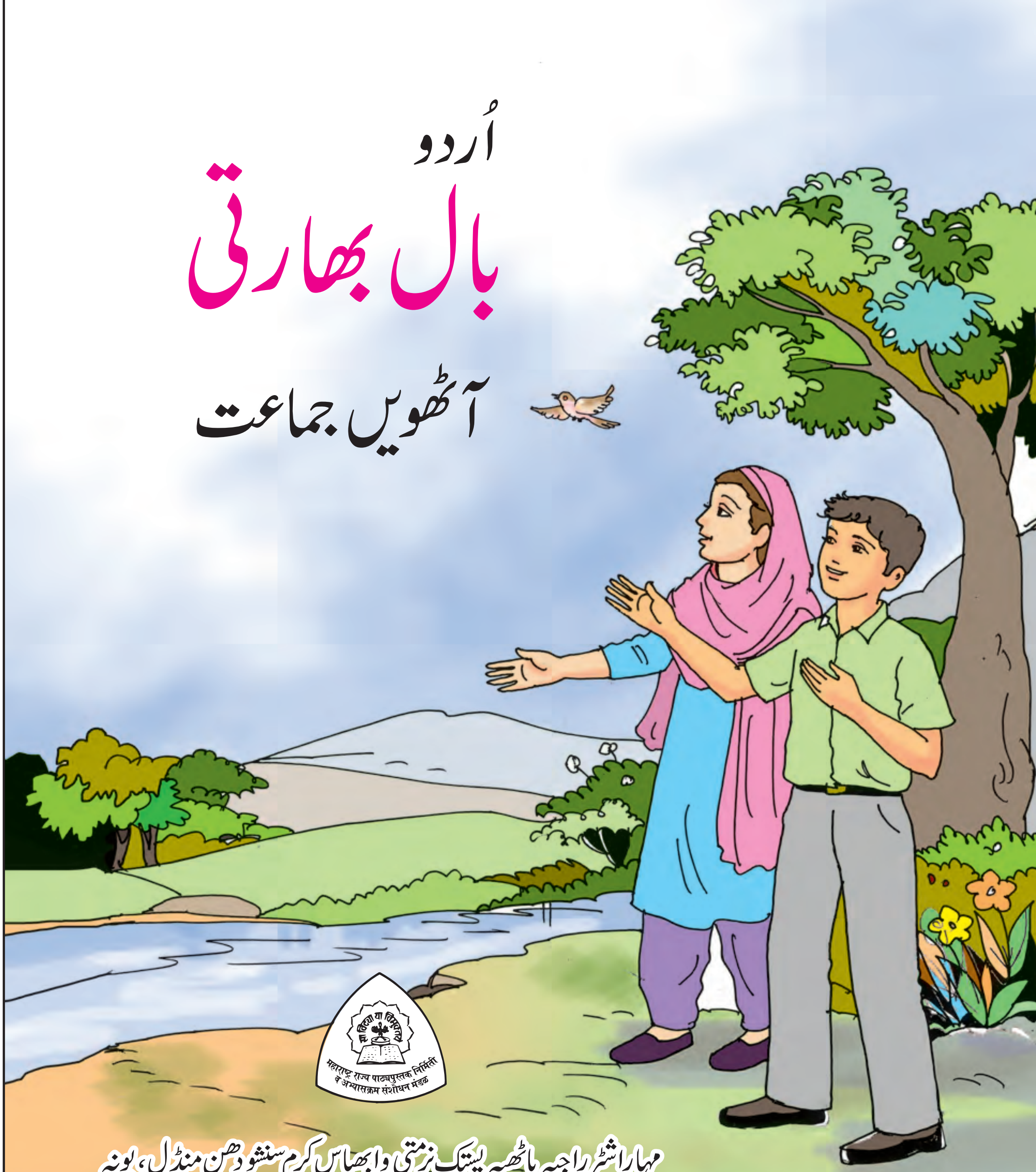

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

NDE9WB

اپنے اسمارٹ فون میں انسٹال کردہ Diksha App کے توسط سے درسی کتاب کے پہلے صفحے پر درج Q.R. code اسکین کرنے سے ڈیجیٹل درسی کتاب اور ہر سبق میں درج Q.R. code کے ذریعے متعلقہ سبق کی درس و تدریس کے لیے مفید سمعی و بصری وسائل دستیاب ہوں گے۔

پہلا ایڈیشن : ۲۰۱۸ء
(2018)
چوتھا اصلاح شدہ ایڈیشن : ۲۰۲۲ء
(2022)

© مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ-۴
نئے نصاب کے مطابق مجلسِ مطالعات وادارت اور مجلسِ مشاورت نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ اس کتاب کے جملہ حقوق مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ کے حق میں محفوظ ہیں۔ کتاب کا کوئی بھی حصہ ڈائرکٹر، مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

مجلسِ مطالعات وادارت :

- ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (صدر)
- سلیم شہزاد (رکن)
- سلام بن رزّاق (رکن)
- احمد اقبال (رکن)
- ڈاکٹر قمر شریف (رکن)
- ڈاکٹر محمد اسد اللہ (رکن)
- بیگم ریحانہ احمد (رکن)
- خان نوید الحق انعام الحق (رکن سکریٹری)

مجلسِ مشاورت :

- ڈاکٹر صفدر
- خان انعام الرحمٰن شبیر احمد
- اعظمی محمد یٰسین محمد عمر
- ڈاکٹر شیخ محمد شرف الدین محمد یوسف
- ڈاکٹر ناصر الدین انصار مزاج الدین
- فاروق سیّد
- ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
- وجاہت عبد الستار
- خان حسنین عاقب محمد شہباز خان
- سجاد حیدر
- مومن شمیم اقبال

Coordinator
Khan Navedul Haque Inamul Haque
Member Secretary and
Special Officer for Urdu, Balbharati

D.T.P. & Layout
Asif Nisar Sayyed
Yusra Graphics, Shop No. 5, Anamay,
305, Somwar Peth, Pune 11.

Artist
Shri Rajendra Girdhari

Cover
Shri Vivekanand Patil

Production
Shri Sachchitanand Aphale
Chief Production Officer

Shri Sachin Mehta
Production Officer

Shri Nitin Wani
Assistant Production Officer

Paper:
70 GSM Maplitho

Print Order
N/PB/2022-23/1,000

Printer
M/S. SOHAIL ENTERPRISES, THANE

Publisher
Shri Vivek Uttam Gosavi
Controller,
M.S. Bureau of Textbook Production,
Prabhadevi, Mumbai - 400 025.

بھارت کا آئین

تمہید

ہم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو
ایک **مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ** بنائیں
اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں :
انصاف، سماجی، معاشی اور سیاسی ؛
آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت ؛
مساوات بہ اعتبارِ حیثیت اور موقع،
اور ان سب میں
اُخوّت کو ترقّی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتّحاد اور
سالمیت کا تیقّن ہو؛
اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبّیس نومبر ۱۹۴۹ء کو یہ آئین
ذریعۂ ہٰذا اختیار کرتے ہیں،
وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

راشٹر گیت

جَنَ گَنَ مَنَ - اَدِھ نایک جَیَہ ہے
بھارَتَ - بھاگیَہ وِدَھاتا۔

پَنجاب، سِندُھ، گُجراتَ، مَراٹھا
دراوِڑَ، اُتکَل، بَنگَ،

وِندھیہ، ہِماچَل، یَمُنا، گنگا،
اُچّھل جَلَ دِھ ترَنگَ،

تَوَ شُبھَ نامے جاگے، تَوَ شُبھَ آ شِس ماگے،
گاہے تَوَ جَیَہ گاتھا،

جَنَ گَنَ منگل دایَک جَیَہ ہے،
بھارَتَ - بھاگیَہ وِدھاتا۔

جَیَہ ہے، جَیَہ ہے، جَیَہ ہے،
جَیَہ جَیَہ جَیَہ، جَیَہ ہے۔

عہد

بھارت میرا ملک ہے۔ سب بھارتی میرے بھائی اور بہنیں ہیں۔

مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور مَیں اس کے عظیم و گوناگوں وِرثے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ مَیں ہمیشہ اِس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کروں گا۔

میں اپنے والدین، استادوں اور بزرگوں کی عزّت کروں گا اور ہر ایک سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کروں گا۔

میں اپنے ملک اور اپنے لوگوں کے لیے خود کو وقف کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ اُن کی بہتری اور خوش حالی ہی میں میری خوشی ہے۔

پیش لفظ

عزیز طلبہ!

آٹھویں جماعت میں آپ تمام کا استقبال ہے۔

آپ پہلی جماعت سے اُردو زباندانی پڑھتے آرہے ہیں۔کئی مضامین اور نظمیں آپ نے پڑھیں اور کئی مشہور ومعروف مصنفوں اور شاعروں کے کلام کا مطالعہ کیا۔گزشتہ کتابوں میں شائع کئی کہانیوں سے آپ لطف اندوز ہوئے اور کئی سرگرمیاں مکمل کیں۔اب آپ اپنے اردگرد موجود رواں تحریر، رسائل، ای-اخبار وغیرہ پڑھتے ہوں گے۔اب آپ آٹھویں جماعت میں آچکے ہیں جہاں آپ مزید معیاری مواد کی تعلیم حاصل کریں گے اور زبان کو سمجھنے کی آپ کی صلاحیت اور بھی فروغ پائے گی۔

اُردو صرف ایک مضمون کا نام نہیں ہے۔اس کے ساتھ ایک بہت بڑی تہذیب جڑی ہوئی ہے۔اس کے ساتھ آپ دیگر مضامین اُردو زبان میں ہی پڑھتے ہیں۔لہٰذا آپ کو اُردو مضمون پر جتنا عبور حاصل ہوگا دوسرے مضامین کو سمجھنا اتنا ہی آسان ہوگا۔ ہمارا مقصد آپ میں یہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہے کہ آپ اپنی زبان کو بہتر سے بہتر طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ آپ میں سوالات پوچھنے کی صلاحیت پیدا ہو،علم اور نئے فنون حاصل کریں اور تخلیقی انداز میں مسرت حاصل کریں۔اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ درسی کتاب میں موجود مشقوں اور سرگرمیوں میں آپ زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔اس کتاب کی تدریس کے دوران آپ کو جو بھی مشکل یا پریشانی محسوس ہو بلاخوف اپنے استاد کے سامنے اس کا اظہار کریں۔کتاب میں ایسی کئی سرگرمیاں شامل ہیں جن سے آپ بذاتِ خود علم حاصل کرنے کے قابل ہوں گے۔ان سرگرمیوں کو آپ جتنا استعمال کریں گے آپ اتنا ہی زیادہ علم حاصل کریں گے۔

اس درسی کتاب میں'بول چال، تلاش وجستجو، آیئے، زبان سیکھیں، تاریخ کے جھروکے سے، سیدھی بات، زورِ قلم، زورِ بیان، بات سے بات چلے، وسعت مرے بیان کی، روبرو، زورِ خطابت، اپنی اداد یکھ، لفظوں کا کھیل، عبارت آموزی، اضافی مطالعہ' وغیرہ کئی سرگرمیاں دی ہوئی ہیں۔ان سرگرمیوں کی مشق آپ ضرور کیجیے۔زبان کے مطالعے کی سرگرمی کے ذریعے زبان کے اجزا اور ان کے استعمال کو سمجھیں۔لیپ ٹاپ، موبائل وغیرہ وسائل کا استعمال کرکے بھی بعض سرگرمیاں انجام دینی ہیں۔ان سرگرمیوں سے آپ یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔

کتاب کے مواد کے بارے میں آپ کے تاثرات جان کر ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ہمیں اُمید ہے کہ سال بھر آپ کی تدریس مسرت بخش ہوگی۔

آپ کی بہترین تعلیم کے لیے نیک خواہشات!

(ڈاکٹر سنیل مگر)

ڈائرکٹر

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و

ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

پونہ۔

تاریخ: ۱۸/اپریل ۲۰۱۸ء، اَکشے ترتیہ

بھارتی سَور: ۲۸/چیتر ۱۹۴۰

ہدایات برائے اساتذہ

* تعلیمی سال کے آغاز پر ابتدائی جانچ کے ذریعے بچوں کی ذہنی سطح کا تعین کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حسب ضرورت تمام بچوں کی اس طرح تربیت کریں کہ ان میں مطلوبہ استعداد پیدا ہو جائے۔
* اس درسی کتاب کا اہم مقصد زباندانی ہے۔ اسباق کی تدریس سے قبل اس مقصد سے واقفیت حاصل کریں۔ نصاب کے مطابق کتاب کی ابتدا میں آموزشی ماحصل کی نشاندہی کی گئی ہے۔
* اس کتاب کے اسباق کو نظم ونثر کی دو اکائیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کس مہینے میں کن اسباق کی تکمیل کی جائے، اس کے لیے اساتذہ اپنی سہولت کے مطابق ماہانہ تقسیم کرنے کے مجاز ہیں۔
* آموزشی ماحصل کے لیے بچوں میں ہر استعداد کی نمو زیادہ سے زیادہ ہو، اس کے بعد ہی دوسرا سبق شروع کرنا بہتر ہوگا۔
* زبان کی تفہیم اور استعمال کی صلاحیتوں کے فروغ کے ساتھ اسباق کی تدریس سے مراد آموزشی ماحصل اور بچوں میں مطلوبہ استعداد کی نمود ہے۔ بچوں میں غور وفکر کی عادت ڈالنے اور سبق کی جانب رغبت دلانے کے لیے اسباق سے پہلے مفہوم وموضوع سے متعلق کچھ مواد تمہید کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ اس تمہید کو 'پہلی بات' کی ذیلی سرخی دی گئی ہے۔ 'جان پہچان' کی سرخی کے تحت شاعر یا ادیب کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ مواد بھی تدریس میں شامل ہے۔
* جن الفاظ کے معنی بچے نہیں جانتے، وہ انھیں دوسروں سے معلوم کرنے یا اساتذہ خود انھیں لغت کے ذریعے معنی تلاش کرنے کی ترغیب دیں۔ درسی کتاب کے ہر سبق کے بعد سبق میں آنے والے نئے الفاظ کے معنی و اشارات کی فہمائش کردی گئی ہے۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ بچے بہر صورت انفرادی طور پر سبق کا مطالعہ کریں۔
* سبق کی نوعیت کے مطابق اساتذہ تدریسی حکمتِ عملی کا انتخاب کریں۔ تدریسی طریقہ کوئی بھی ہو مگر بچوں کو سوال کرنے کا موقع فراہم کرنا اور سبق میں تمام بچوں کی شرکت کو ممکن بنانا اہم ہے۔
* درسی کتاب کی کہانیوں کی تدریس کے وقت کہانی کا کچھ حصہ اس طرح بیان کیا جائے کہ باقی حصہ بچے اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔ دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ان سے کہانی کا مطالعہ کروایا جائے۔
* اساتذہ بچوں کو ایسے مواقع فراہم کریں کہ وہ اسباق کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرسکیں۔ ان کے اظہارِ خیال کو رد نہ کیا جائے، نیز ان کی بیان کی ہوئی خوبیوں اور خامیوں کا بغور تجزیہ کریں۔ مختلف زاویوں سے بچوں کو سوچنے کا موقع دیں۔
* تدریسی وآموزشی سرگرمیوں کے بعد مشقوں کا اہتمام حسبِ ذیل طریقے پر کرنا مناسب ہوگا :

i. ایک جملے والے جوابات پورے جملے میں کہلوائے اور لکھوائے جائیں۔ اسی طرح دیگر سوالوں کے جوابات بھی پورے جملوں میں لکھوائیں۔

ii. گزشتہ کی طرح مشقوں کے لیے الگ الگ عنوانات کے تحت ذیلی سرخیاں قائم کی گئی ہیں جن کا مقصد بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کو فروغ دے کر ان کے لسانی اور جمالیاتی ذوق کو پروان چڑھانا ہے۔ ان کے علاوہ ذیلی سرخیوں کا مقصد متعلقہ مشقوں کی وضاحت بھی ہے۔ مشقیں سرگرمی اساس بھی ہیں جن میں شبکی خاکے، رواں خاکے، ذاتی رائے اور دیگر معروضی و تفصیلی سرگرمیاں شامل ہیں جن کا مقصد آئندہ جماعتوں میں سرگرمی نامے کی ابتدائی تیاری ہے۔

iii. مشق کا اہتمام اجتماعی سرگرمی کے طور پر کیا جائے۔

iv. اجتماعی بحث کے بعد مشقیں انفرادی طور پر حل کروائیں۔

v. سوالوں کے جوابات تمام بچوں سے اخذ کیے جائیں، غلطیوں کی تصحیح کو انفرادی طور پر دوبارہ لکھوائیں۔

vi. 'لفظوں کا کھیل' سے بچوں میں جستجو کا مادّہ، زبان سیکھنے کا شوق اور غور وفکر کو فروغ حاصل ہوگا۔ ان کھیلوں کا مقصد طلبہ سے سرزد ہونے والی غلطیوں کا ازالہ ہے۔ مزید یہ کہ ان کے ذریعے زبان کی خوبیوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

vii. تعلیمی سرگرمیوں/منصوبوں کے بارے میں بچوں کو آگاہ کریں اور عملی طور پر گروپ میں ان کی تکمیل کروائیں۔ مشقوں میں 'تلاش وجستجو' اور 'لفظوں کا کھیل' کے تحت سرگرمیاں شامل کی گئی ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین رکھ کر منصوبوں اور سرگرمیوں کے لیے اسکول کی لائبریری کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ منصوبوں کی نمائش کا اہتمام ضروری ہے۔ منصوبوں کو محفوظ رکھیں۔ اساتذہ مقامی طور پر دستیاب وسائل کے استعمال پر خصوصی توجہ دیں۔

viii. 'آیئے زبان سیکھیں' کے تحت قواعد کے بعض تصورات کو آسان تر زبان میں سمجھایا گیا ہے۔ ان پر دی گئی مشقیں حل کرنے سے قبل بچوں کو سمجھانے کے لیے زیادہ سے زیادہ مثالیں دیں۔ اس کے بعد طلبہ کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ انفرادی طور پر زبان کے ایسے ہی دوسرے جملے بنا سکیں۔

* اساتذہ مختلف تعلیمی، علمی، سیاحتی، سائنسی، معلوماتی وغیرہ اردو/ انگریزی ویب سائٹس کے بارے میں طلبہ کو معلومات فراہم کرتے رہیں۔
* اقدار کی تعلیم کے تحت متعلقہ قدروں کی نشاندہی بھی کرتے رہیں۔
* بعض اسباق کے اختتام پر 'عبارت آموزی' عنوان کے تحت مختلف اقتباسات شامل کیے گئے ہیں اور ان کی جانچ کے لیے سوالات دیے ہوئے ہیں۔ یہ سوالات بچوں کے لیے ہیں تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کا اندازہ لگاسکیں اور انھیں اپنے لفظوں میں واضح کرسکیں۔ اس کے بعد جس تعلیمی استعداد میں بچے زیادہ کمزور ہوں، اسے دور کرکے مطلوبہ معیار تک لانے کی کوشش کی جائے۔ اساتذہ دورانِ تدریس مزید اقتباسات شامل کرکے عورتوں کی تعلیم، ماحولیات وغیرہ موضوعات کا احاطہ کریں۔
* جس سبق کی تدریس کی جارہی ہو، اس کی مناسبت سے درج ذیل تعلیمی قدروں پر مباحثہ کروائیں مثلاً انسانی واخلاقی اقدار، تہذیب وتمدن، وطن دوستی، مساواتِ مرد وزن، انسانیت، سائنسی نقطۂ نظر، ماحول کا تحفظ، خصوصی توجہ کے مستحق بچوں سے ہمدردی وغیرہ کے لیے طلبہ کے برتاؤ میں تبدیلی کی کوشش کریں۔
* مسلسل اور ہمہ جہت جانچ کے تحت استعداد کے مطابق بچوں کی ترقی درج کرتے رہیں۔ اپنے اسکول کی سالانہ منصوبہ بندی کے مطابق میقاتی جانچ منعقد کریں۔
* بچوں سے روزنامچہ (ڈائری) لکھوائیں، اس کے لیے ان کے پاس ایک بیاض ہونی چاہیے۔ مطالعہ کی گئی کتابوں، سنے ہوئے اسباق، تعلیمی سرگرمیوں اور منصوبوں کی بنیاد پر بچوں کو روزنامچہ لکھنے کا پابند بنائیں۔ ان کو اپنے خیالات واحساسات کا اظہار تحریری طور پر کرنے کی خصوصی ترغیب دیں۔

قدر پیمائی:

۱۔ طلبہ کی صلاحیتوں کی جانچ کے لیے زبانی، تحریری اور تفویضی طریقے استعمال کیے جائیں۔

۲۔ طلبہ کی معلومات اور صلاحیتوں میں اضافے کے لیے مستقل جانچ پر زور دیا جائے۔

۳۔ کمزور طلبہ کی قدر پیمائی کے لیے معالجاتی طریقے اپنائے جائیں۔

۴۔ قدر پیمائی میں والدین اور سرپرستوں کی شرکت کو ضروری قرار دیا جائے تاکہ ان کے ذریعے کی گئی جانچ کے نتائج کو استاد اپنے اندراجات کا حصہ بنا سکے۔

۵۔ قدر پیمائی کے روایتی طریقوں کے ساتھ ہی ان میں تنوّع کا بھی خیال رکھا جائے۔

زباندانی - آٹھویں جماعت - آموزشی ماحصل

بچہ ...

08.04.01 - الگ الگ موضوعات پر مبنی مختلف قسم کی تصانیف کو پڑھ کر ان پر بات چیت کرتا ہے جیسے درسی کتاب کے کسی سبق/نظم کی معلومات حاصل کر کے ان موضوعات سے متعلق دیگر کتب پڑھتا ہے اور ان پر گفتگو کرتا ہے۔

08.04.02 - اُردو زبان میں دستیاب مختلف قسم کے مواد (اخبارات، ماہنامے، کہانیاں، انٹرنیٹ پر شائع ہونے والے مواد) کو سمجھ کر پڑھتا ہے اور زبانی / تحریری طور پر اپنی رائے پیش کرتا ہے۔

08.04.03 - اپنے اطراف کی لوک کہانیاں، لوک گیت اور بولی سے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے۔ان میں الفاظ کی بندش اور بولنے کے انداز کو سمجھتا ہے۔

08.04.04 - مختلف موضوعات جیسے ذات، مذہب، رنگ، جنس، رسم و رواج کے بارے میں اپنے دوستوں، اساتذہ یا خاندان والوں سے سوالات کرتا ہے جیسے محلے میں منائے جانے والے تہواروں پر لوگوں سے بات چیت۔

08.04.05 - کسی مواد کو پڑھ کر اس میں موجود سماجی اقدار سے متعلق بحث کرتا ہے، اس کی وجوہات معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے، غور و فکر کرتا ہے اور سوالات پوچھتا ہے۔

08.04.06 - مختلف قسم کے مواد جیسے مضامین، یادداشت، سفرنامے، طنز و مزاح پڑھتے وقت یا درسی اقتباس کی باریک بینی سے جانچ کرتے وقت اس کے بارے میں اندازہ قائم کرتا ہے، تجزیہ کرتا ہے اور اس میں مخصوص نکات تلاش کرتا ہے۔

08.04.07 - مختلف درسی مواد میں شامل الفاظ، محاوروں اور کہاوتوں کا مطلب سمجھ کر ان سے لطف اندوز ہوتا ہے/ ان کا استعمال گفتگو اور تحریر میں کرتا ہے، ذخیرہ کرتا ہے۔

08.04.08 - کہانی /نظم پڑھ کر اصناف کی مختلف قسمیں اور طرزِ تحریر سے واقف ہوتا ہے۔ ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ ان سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے جیسے وضاحت کرنا، تنقید کرنا وغیرہ۔

08.04.09 - درسی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت تفہیم کے لیے ضرورت کے مطابق ہم جماعت/ استاد کی مدد حاصل کر کے حوالہ جاتی وسائل (لغت، انسائیکلوپیڈیا، انٹرنیٹ) اور دیگر کتب سے مدد لیتا ہے۔ ضروری معلومات حاصل کرتا ہے، اس کا ذخیرہ کرتا ہے۔ حاصل شدہ معلومات کا استعمال کر کے اس کا تجزیہ کرتا ہے۔

08.04.10 - مختلف واقعات/ حالات سے متعلق تفصیلات کو اپنے الفاظ میں لکھتا ہے جیسے اسکول کی کسی تقریب سے متعلق اخبار کو خبر ارسال کرنا یا احوال یا روداد پیش کرنا۔

08.04.11 - اپنے تجربات کو اپنے انداز میں لکھتا ہے۔ لکھنے کے مختلف طریقوں کا استعمال کرتا ہے۔ جیسے مختلف طریقوں (کہانی، نظم، مضمون وغیرہ) سے کسی تجربے کو ضبطِ تحریر میں لانا۔

08.04.12 - روزمرہ زندگی کے کسی واقعے/ معاملے پر مختلف طریقوں سے لکھتا ہے جیسے سوشل میڈیا پر، بیاض میں یا ایڈیٹر کے نام خط۔

08.04.13 - مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے نشر ہونے والے بحث و مباحثے، انٹرویو اور عام مقامات کی ہدایات کو سمجھ کر سنتا ہے۔ان میں موجود اصل بات کو سمجھتا ہے۔

08.04.14 - لطیفے، گیت، نظمیں، مکالمے سن کر اور ان کا مطلب سمجھ کر ان سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان کے پیغام کو سمجھتا ہے۔

08.04.15 - گیت، نظمیں، اجتماعی گیت کا مطلب سمجھ کر مناسب اُتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھتا ہے اور انھیں اداکاری کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

08.04.16 - آواز کے مناسب اُتار چڑھاؤ کے ساتھ اور علاماتِ اوقاف کا خیال رکھتے ہوئے درسی اور غیر درسی مواد کی بلند خوانی کرتا ہے۔ دیے ہوئے وقت میں درسی مواد کو سمجھ کر اس کا خاموش مطالعہ کرتا ہے۔

08.04.17 - اسکول کی تحریری سرگرمی کے لیے، بچوں کے ادب سے مواد لے کر پوسٹر تیار کرتا ہے۔

08.04.18 - حوالے کے لیے لغت کا استعمال کرتا ہے اور اپنا ذخیرۂ الفاظ تیار کرتا ہے۔

08.04.19 - عملی قواعد کی معلومات حاصل کرتا ہے اور اس کا استعمال کرتا ہے۔ خوش خط لکھنے کے اُصولوں سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔

چند معروضات

بچے کے اسکولی علم اوراس کی زندگی کے درمیان فاصلے کوکم کرنے اوراسے ہمہ جہت ترقی کے مواقع فراہم کرانے کی سمت، قومی درسیات کے خاکے کی روشنی میں ریاست مہاراشٹر ہمیشہ ہی سے تعلیم و تدریس کے جدید طور طریقے اختیار کرنے میں پیش پیش رہی ہے۔ کتاب میں مہیا کردہ تدریسی مواد، سوالات، اضافی مطالعے، حقائق، منصوبوں اور مشقوں کے ذریعے تعاملات اور سرگرمیوں کو مؤثر طریقے سے نیز خصوصی توجہ کے مستحق طلبہ کی ضروریات کو بھی مدنظر رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب طالب علم کو غور وفکر کرنے، ہم جماعت گروہ میں بات چیت کرنے، اپنے طور پر کچھ سیکھنے کے مواقع فراہم کرنے اوراس کی تخلیلی سرگرمیوں کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ ہی ریاستی اور قومی سطح پر اس کی شناخت بنانے میں خوب تعاون کرے گی اور طالب علم کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا۔ تدریس و آموزش کے عمل کو طفل مرکوز، سرگرمی اساس اور سہل بنانے کے لیے یہ کتاب یقیناً مددگار ثابت ہوگی۔

قومی درسیات کے خاکے پر مبنی نئے مرتب کردہ تعلیمی نصاب میں سفارش کی گئی ہے کہ بچوں کی اسکول کی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ نقطۂ نظر کتابی علم کی اس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ قومی درسیات کے نئے خاکے پر مبنی نصاب اور درسی کتابیں اسی بنیادی خیال پر عمل بجا آوری کی ایک کوشش ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی میں مذکور 'طفل مرکوز نظامِ تعلیم' کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ بچوں میں اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کی ہمت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات سے استفادہ کرکے نئی معلومات مرتب کرسکتے ہیں۔ تدریس کے دوسرے ذرائع اور مقامات کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب مجوزہ درسی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ سمجھنا ہے۔ بچوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اسی وقت ممکن ہے جب ہم ان کی آموزش میں انھیں بحیثیت شریک کار قبول کریں اور انھیں محض مقررہ معلومات کا پابند نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے معمولات اور قدر پیمائی کے طریقے میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تدریس اور قدر پیمائی کے طریقوں سے اس امر کا تعین ہوگا کہ یہ درسی کتاب بچوں میں ذہنی تناؤ اور اُکتاہٹ کا ذریعہ بننے کی بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوشگوار بنانے میں کس حد تک مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے مرتبین نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو کرنے اور اسے نیا رُخ دینے کی غرض سے بچوں کی نفسیات اور آموزش کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ درسی کتاب سوچنے اور محسوس کرنے کی تربیت، ہم جماعت گروہوں میں بحث و مباحثہ کرنے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

ادارہ بال بھارتی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی مجلسِ مطالعات و ادارت کی مخلصانہ کوششوں کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے ہمیں اپنا قیمتی وقت اور تعاون دیا۔ ادارہ مجلسِ مشاورت کا بھی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکرگزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذات اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے اور کتاب کو مزید غور وفکر کے بعد زیادہ کارآمد اور بامعنی بنانے کے مقصد سے ادارہ آپ کے مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرے گا۔

فہرست

نمبر شمار	سبق	صنف	موضوع	مصنف/شاعر	صفحہ نمبر
			حصّۂ نثر		
۱۔	حضرت علی رضی اللہ عنہ	سوانح	مذہبی شخصیت	محمد حسن فاروقی	۱
۲۔	ضمیر کی آواز	کہانی	اخلاقی قدریں	حامد حسن قادری	۶
۳۔	دلّی کا نہاری والا	ادبی مضمون	دلّی کی تہذیب	اشرف صبوحی	۱۱
۴۔	ماریشس کی سیر	سفرنامہ	سیر و تفریح	صغریٰ مہدی	۱۵
۵۔	سڑک	انشائیہ	ماحول کا مشاہدہ	ڈاکٹر صفدر	۲۰
۶۔	آم	کہانی	وضعداری	سعادت حسن منٹو	۲۵
۷۔	رانی کیتکی کی کہانی	داستان	حسن سلوک	انشاء اللہ خان انشؔا	۳۱
۸۔	یادیں اور باتیں	خودنوشت	شخصیت	دادا بھائی نوروجی	۳۴
۹۔	فقیر	کہانی	اصلاحِ معاشرہ	عظیم بیگ چغتائی	۴۰
۱۰۔	روبوٹ : مشینی انسان	سائنسی مضمون	ایجادات	محمد خلیل	۴۶
۱۱۔	دادی اماں مان جاؤ	ڈراما	تعلیم نسواں	اَنیس اعظمی	۵۰
۱۲۔	خطوط	انشا/مکتوب	تحریک آزادی/کفایت شعاری	نشاط النساء بیگم، رشید حسن خاں	۵۸
			حصّۂ نظم		
۱۔	حمد	حمد	خدا کی تعریف	امیؔر مینائی	۶۳
۲۔	فوجِ اعدا میں ہلچل	مرثیہ	واقعۂ کربلا	مرزا دبیؔر	۶۶
۳۔	حزنِ اختر	مثنوی	واجد علی شاہ کی معزولی	واجد علی شاہ اختؔر	۶۹
۴۔	پھول کی فریاد	نظم	جینے کا حق	شوؔق قدوائی	۷۲
۵۔	ماں	نظم	رشتے کا تقدس	اختؔر اورینوی	۷۴
۶۔	دلوں میں روشنی کرو	نظم	حوصلہ مندی	یونؔس قنوجی	۷۷
۷۔	حقیقی زندگی	نظم	جہدِ مسلسل	گوپی ناتھ امؔن	۸۰
۸۔	نغمۂ وطن	نظم	وطن سے محبت	اعجاؔز صدیقی	۸۲
۹۔	غزلیات		ڈاکٹر محمد اقباؔل، جگؔر مرادآبادی، ناطؔق گلاوٹھی، ادیؔب مالیگانوی، غنی اعجاؔز		۸۴ تا ۹۳
۱۰۔	رباعیات		ولؔی دکنی، مصحفؔی، تلوک چند محرؔوم، جگت موہن لال رواںؔ		۹۴ تا ۹۶

اضافی مطالعہ

- چچا چھکن نے خط لکھا (معاشرت) سیّد امتیاز علی تاؔج — ۹۷
- تربوز (نظم - موسمی پھل) نظیؔر اکبرآبادی — ۱۰۱

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

محمد حسن فاروقی

پہلی بات : حضرت علیؓ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ دین کو پہلے پہل قبول کرنے والوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی سادہ زندگی، سخاوت، جرأت، انصاف اور علم و دانائی اسلامی تاریخ میں مشہور ہے۔ اِس سبق میں حضرت علیؓ کی زندگی کے بعض نہایت اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جان پہچان : محمد حسن فاروقی ۲؍دسمبر ۱۹۴۱ء کو ایولہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ مالیگاؤں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد وہ بھیونڈی میں رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ وہ 'بال بھارتی' اُردو لسانی کمیٹی (پونہ) کے فعال رکن اور ایک عرصے تک تعلیمی رسالے 'آموزگار' (جلگاؤں) کے نائب مدیر بھی رہے۔ تعلیمی موضوعات پر ان کے کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ 'تعلیمی منظرنامہ' اور 'میرے علمی و ادبی رہنما' ان کی تصانیف ہیں۔ ۹؍جولائی ۲۰۲۰ء کو مالیگاؤں میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ اُن کے والد ابوطالب کا شمار مکّے کے ذی اثر لوگوں میں ہوتا تھا۔ بچپن ہی سے حضرت علیؓ حضورؐ کی تربیت میں رہے۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حضرت علیؓ نے حاصل کی۔ اس وقت اُن کی عمر مشکل سے آٹھ دس برس کی تھی۔

ایک مرتبہ قریشِ مکّہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت قتل کر دینے کی سازش کی۔ آپؐ کو اس سازش کا علم ہوگیا۔ حضورؐ کے پاس مکّے کے لوگوں کی امانتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس رات آپؐ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ سے سونے کے لیے کہا اور اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ آپؐ نے جاتے وقت حضرت علیؓ کو ہدایت کی کہ وہ مکہ والوں کو اُن کی امانتیں لوٹا کر مدینہ آجائیں۔ اس رات حضرت علیؓ حضورؐ کے بستر پر بے خوف و خطر گہری نیند سو گئے۔ قریشِ مکّہ نے جب آپؐ کے بستر پر حضرت علیؓ کو پایا تو انھیں سخت مایوسی ہوئی۔ وہ غصّے میں واپس لوٹ گئے۔ بعد میں حضرت علیؓ نے لوگوں کی امانتیں لوٹائیں اور مدینہ ہجرت کی۔ ہجرت کے دوسرے سال اللہ کے رسولؐ نے اپنی بیٹی بی بی فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔

حضرت علیؓ نے بچپن ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ رسول اکرمؐ کی جانب سے جو خطوط روانہ کیے جاتے تھے، اُنھیں اکثر حضرت علیؓ لکھا کرتے تھے۔ انھیں تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ حضرت علیؓ میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اُن کی بہادری اور جنگی صلاحیت سے ہر خاص و عام واقف تھا۔ خیبر کی جنگ میں اُنھوں نے بے مثال شُجاعت کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے خیبر کا قلعہ فتح ہوا۔

حضرت علیؓ صائب الرّائے تھے۔ کوئی تنازعہ آ پڑتا تو ایسا فیصلہ کرتے کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے کی صلاحیت حضرت علیؓ میں ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تو وہ حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا استغنا اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔ عیش و آرام کے تمام اسباب ان کے قدموں میں تھے۔ حکومت کے پورے اختیارات اور مال و دولت کے سارے وسائل انھیں حاصل تھے۔ لوگوں کی طرف سے تعظیم و تکریم میں کمی نہ تھی اور نہ کوئی ان کا محاسبہ کر سکتا تھا، پھر بھی وہ دنیا کے عیش و آرام اور تکلّفات سے بالکل ہی بے نیاز رہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا تو اس سے یوں مخاطب ہوئے، "تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حَسین ہے، تو لذیذ ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بنالوں جس کا وہ اب تک عادی نہیں ہے۔" ایک بار وہ اپنے گھر سے ایسی حالت میں نکلے کہ ایک تہبند باندھے ہوئے اور ایک چادر سے جسم ڈھکے ہوئے تھے۔ تہبند کے کپڑے کو ایک معمولی کپڑے سے کمر بند کی طرح باندھ رکھا تھا۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ اس لباس میں آپ کس طرح رہتے ہیں تو فرمایا، "میں یہ لباس اس لیے پسند کرتا ہوں کہ یہ نمائش سے بہت دور اور نماز میں آرام دہ ہے۔"

حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسندِ خلافت سنبھالی۔ اُن کا بیشتر وقت خلافت کے کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرتے، اُنھیں دین کی باتیں سمجھاتے، اُن کی خیریت دریافت کرتے، اُن کے کاروبار کے بارے میں پوچھتے، بازاروں کا گشت لگاتے اور خرید و فروخت کرنے والوں کی نگرانی کرتے تھے۔

اس زمانے میں خلیفہ اپنے زیرِ نگیں علاقوں کے لیے عامل مقرر کرتے تھے۔ بحیثیت خلیفہ حضرت علیؓ ان کی کارروائیوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ کبھی کبھی معائنہ کرنے والوں کو اچانک بھیجتے کہ وہ جا کر دیکھیں کہ عوام کے ساتھ عُمّال کا سلوک کیسا ہے اور اُن کے بارے میں عوام کی رائے کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں بیت المال کی امانت داری کا پورا حق ادا کیا۔ بیت المال میں جتنا مال آتا تھا، سب تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ تقسیم میں اپنے کسی رشتے دار یا عزیز کو کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اکثر بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے۔

حضرت علیؓ نہایت سخی تھے۔ کبھی کوئی سائل اُن کے دروازے سے مایوس نہ لوٹتا۔ وہ خود بھوکے رہ جاتے لیکن کسی بھوکے کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ کپڑے پھٹ جاتے تو خود سی لیتے۔ جوتی پھٹ جاتی تو اُس کی مرمّت کر لیتے۔ ان کے گھر میں کوئی خادمہ نہیں تھی۔ بی بی فاطمہؓ گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ خلافت کے زمانے میں بھی حضرت علیؓ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ مسلمانوں کا جلیل القدر خلیفہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔

حضرت علیؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی چیز خریدنی ہوتی تو بازار میں ایسے دکان دار کو تلاش کرتے جو اُنھیں پہچانتا نہ ہو اور اسی سے سودا لیتے تھے۔ اُنھیں یہ بات پسند نہ تھی کہ کوئی دکان دار ان کے امیر المومنین ہونے کی وجہ سے سودے میں انھیں رعایت دے۔ ایک دفعہ کپڑا خریدنے نکلے۔ اُن کا غلام قَنبر ساتھ تھا۔ اُنھوں نے دو موٹی موٹی چادریں خریدیں پھر قنبر سے کہنے لگے، "ان میں سے جو تمھیں پسند ہو، لے لو۔" ایک چادر اُس نے لی اور دوسری حضرت علیؓ نے اوڑھ لی۔ خلیفہ کا اپنے غلام کے ساتھ یہ حسنِ سلوک دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی کھوئی ہوئی زِرہ ایک یہودی کو مل گئی۔ وہ زرہ کو اپنی ملکیت بتانے لگا اور حضرت علیؓ کو زرہ واپس کرنے سے اس نے انکار کر دیا۔ خلیفہ ہونے کے باوجود حضرت علیؓ مدعی بن کر خود قاضیِ شریعت کی عدالت میں حاضر ہوئے اور اپنی گواہی میں

اپنے فرزند حضرت حسنؓ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ قاضی نے اُن دونوں کی شہادت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے لیے اور غلام کی گواہی آقا کے لیے نا قابلِ قبول ہے۔ خلیفۂ وقت مقدمہ ہار گئے۔ اس بے مثال انصاف کا یہودی کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اس کو اپنے کیے پر سخت شرمندگی ہوئی۔ عدالت سے باہر نکل کر اس نے کہا، "آپ کی صداقت میں کوئی شک نہیں، یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔" اور زِرہ حضرت علیؓ کو لوٹا دی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک بار حضرت علیؓ کے ایک ساتھی ضرار اسدیؓ سے کہا کہ مجھ سے حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرو۔ اُنھوں نے انتہائی جامع انداز میں حضرت علیؓ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہا، "وہ بہت بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ ان کے انصاف سے ہر کوئی مطمئن ہو جاتا۔ وہ علم کا سرچشمہ تھے۔ بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ معمولی لباس اور سادہ کھانا پسند کرتے تھے۔ وہ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے۔ اہلِ دین کی عزّت کرتے اور غریبوں کو عزیز رکھتے تھے۔"

یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا، "خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔"

ایک دن حضرت علیؓ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں داخل ہو رہے تھے کہ ایک شقی القلب شخص عبدالرحمٰن بن مُلجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے وار کر کے انھیں زخمی کر دیا۔ اس زخم سے حضرت علیؓ جانبر نہ ہو سکے اور ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں انھوں نے شہادت پائی۔

معانی و اشارات

ذی اثر	–	اثر رکھنے والا
سعادت	–	خوش نصیبی
خداداد	–	خدا کا دیا ہوا
ملکہ حاصل ہونا	–	مہارت حاصل ہونا، قدرت حاصل ہونا
صائب الرّائے	–	صحیح رائے دینے والا
زیرِ نگیں	–	زیرِ اقتدار
عامل	–	عمل کرنے والا (جمع عُمّال) یہاں مراد گورنر (نگراں)
ترجیح	–	فوقیت، اوّلیت
اندوختہ	–	جمع کی ہوئی پونجی، مراد مال و دولت
سائل	–	سوال کرنے والا، مانگنے والا
زِرہ	–	جنگ میں پہنی جانے والی پوشاک جو فولادی چھلوں اور تاروں سے بنی ہوتی ہے۔
مدّعی	–	دعویٰ کرنے والا، دعویدار
قاضیِ شریعت	–	اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والا منصف
شہادت	–	گواہی، اللہ کی راہ میں جان قربان کرنا
جامع	–	کامل، بھرپور
عزیز رکھنا	–	پسند کرنا، دوست سمجھنا
شقی القلب	–	سنگ دل، ظالم
جانبر نہ ہونا	–	زندہ نہ بچنا

سبق کا مطالعہ کرکے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

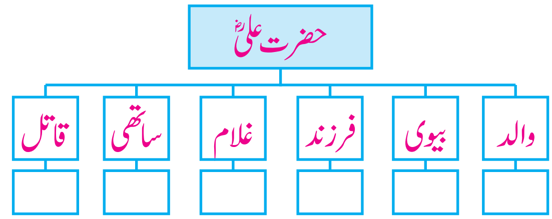

درج ذیل خاکہ مکمل کیجیے۔

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ قریشِ مکہ نے کیا سازش کی؟
۲۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو کیا ہدایت کی؟
۳۔ رسولِ اکرمؐ کی جانب سے جو خطوط روانہ کیے جاتے تھے، اُنھیں کون لکھا کرتا تھا؟
۴۔ حضرت علیؓ کو صائب الرائے کیوں کہا جاتا تھا؟
۵۔ حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کیا تھی؟
۶۔ حضرت علیؓ کی سب سے نمایاں خصوصیت کون سی تھی؟
۷۔ حضرت علیؓ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا تو آپؓ نے کیا کہا؟
۸۔ حضرت علیؓ کبھی کبھی معائنہ کرنے والوں کو کیوں بھیجتے تھے؟
۹۔ حضرت علیؓ کی شہادت کب ہوئی؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ حضرت علیؓ نے بیت المال کی امانت داری کس طرح کی؟
۲۔ حضرت علیؓ اجنبی دکاندار سے سودا کیوں خریدتے تھے؟
۳۔ حضرت علیؓ قاضیِ شریعت کی عدالت میں اپنی زرہ کا مقدمہ کیوں ہار گئے؟
۴۔ حضرت علیؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کیجیے۔
۵۔ حضرت علیؓ بے خوف اور بہادر تھے۔ سبق کی مدد سے اس بیان کو واضح کیجیے۔

مفصل جواب لکھیے۔

۱۔ حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کیجیے۔
۲۔ حضرت علیؓ کے ساتھی ضرار اسدی نے آپؓ کی کون سی خوبیاں بیان کیں؟

”حضرت علیؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔“ اس بیان سے متعلق سبق سے جملے تلاش کرکے لکھیے۔

حضرت علیؓ اور یہودی کے درمیان مقدمے کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

حضرت علیؓ کی بیت المال کی امانت داری اور سائل سے سلوک کے متعلق خاکے کی مناسبت سے دو مکمل جملے لکھیے۔

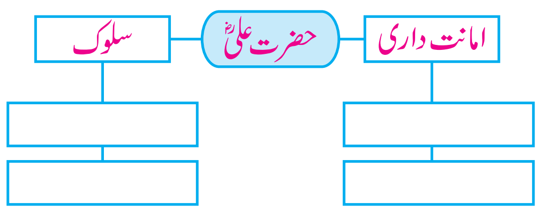

مناسب متبادل کی مدد سے خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی .... حضرت علیؓ نے حاصل کی۔
(سعادت ، نعمت ، عزّت)

۲۔ قریشِ مکہ نے جب آپؐ کے بستر پر حضرت علیؓ کو پایا تو انھیں سخت.............. ہوئی۔
(حسرت ، حیرت ، مایوسی)

۳۔ بیت المال سے مال کی تقسیم میں اپنے کسی رشتے دار یا عزیز کو کبھی .... نہیں دیتے۔
(اہمیت ، فوقیت ، ترجیح)

۴۔ حضرت علیؓ کو جب کوئی چیز خریدنی ہوتی تو بازار میں ایسے دکان دار کی تلاش کرتے جو انھیں .... نہ ہو۔
(جانتا ، پہچانتا ، مانتا)

۵۔ حضرت علیؓ .... بن کر خود قاضیِ شریعت کی عدالت میں حاضر ہوئے۔
(گواہ ، مدعی ، داعی)

- حضرت علیؓ کا اپنے غلام قنبر کے ساتھ رویے کے بارے میں واقعہ لکھیے۔

بول چال

- درج ذیل کے لیے ایک لفظ لکھیے۔

۱۔ امانت سنبھالنے والا	☐
۲۔ شہادت دینے والا	☐
۳۔ سوال کرنے والا	☐
۴۔ مسندِ خلافت سنبھالنے والا	☐
۵۔ کسی چیز کا دعویٰ کرنے والا	☐
۶۔ اپنے علاقے کی عوام کی نگرانی کرنے والا	☐
۷۔ اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والا	☐
۸۔ ہجرت کرنے والا	☐
۹۔ صحیح رائے دینے والا	☐

- دیے ہوئے الفاظ کے واحد یا جمع لکھیے۔

	تقریر	خطبہ		عامل	خادم	
خطوط			اقوال			مومنین

تلاش و جستجو

۱۔ اسکول کی لائبریری سے حضرت علیؓ کی سیرت کی کوئی کتاب حاصل کرکے پڑھیے اور اس کے کسی ایک واقعے کو مختصراً بیان کیجیے۔

۲۔ 'جنگِ خیبر' سے متعلق کوئی واقعہ تحریر کیجیے۔

NLE1QG

آئیے، زبان سیکھیں

حروفِ قمری/حروفِ شمسی

ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ لفظوں کو بلند آواز سے پڑھیے:

۱۔ عبدالماجد نے عبدالرشید کو آواز دی۔

۲۔ ابوالکلام آزاد نے 'لسان الصدق' نامی اخبار جاری کیا۔

۳۔ 'ابن الوقت' اور 'توبۃ النصوح' ڈپٹی نذیر احمد کی مشہور کتابیں ہیں۔

ان جملوں میں الفاظ عبدالماجد/ ابوالکلام/ ابن الوقت کو جب ہم ادا کرتے ہیں تو ان میں لکھے جانے والے حروف 'ال' کی 'ل' کو ادا کیا جاتا ہے یعنی اس طرح: عبدل ماجد/ ابُل کلام/ اِبنُل وقت۔

عربی حروفِ تہجی میں ایسے چودہ حروف ہیں جن سے بننے والے لفظوں سے پہلے 'ال' آئے تو 'ل' کو ادا کیا جاتا ہے۔ جیسے ان لفظوں میں:

ربیع الاوّل، سحرالبیان، عبدالجلیل، ذی الحجہ، ابوالخیر، بیت العلوم، بالغیب، بحر الفصاحت، ترجمان القرآن، ابو الکلام، بیت المال، ابن الوقت، الہلال، عین الیقین

ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی

اِن حروف کو 'حروفِ قمری' کہتے ہیں۔

باقی چودہ حروف ایسے ہیں جن سے بننے والے لفظوں میں پہلے 'ال' آئے تو 'ال' کو ادا نہیں کیا جاتا۔ اوپر کی مثالوں میں عبدالرشید/ لسان الصدق/ توبۃ النصوح، ان لفظوں کو 'عبدُ ر رشید/ لسانُص صدق/ توبتُن نصوح' ادا کرتے ہیں۔

دوسری مثالیں: دار الترجمہ/ تحت الثّریٰ/ نور الدّین/ اوّل الذّکر/ خلیق الزّماں/ نور السّحر/ عین الشّمس/ لسان الصّدق/ شمس الضّحیٰ/ جبل الطّارق/ صلوٰۃ الظّہر/ عبد اللّطیف/ توبۃ النصوح۔

ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔

اِن حروف کو حروفِ شمسی کہتے ہیں۔

درج ذیل لفظوں کو حروفِ قمری اور شمسی کے اعتبار سے الگ کیجیے:

بالکل، بدرالدجیٰ، ذی القعدہ، ثانی الذکر، حتی الامکان، بالترتیب۔

۲۔ ضمیر کی آواز

حامد حسن قادری

پہلی بات : ایمان کے مضبوط ہونے کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے روکے یہ ممکن نہ ہو تو اسے زبان سے روکے اور یہ بھی نہ ہو پائے تو اس کام کو دل سے برا سمجھے۔ برائی کا احساس انسان کو برے کام سے روکتا ہے۔ اسے ضمیر کی آواز بھی کہا جاتا ہے۔ جو لوگ برائی کے خلاف اپنے اندر اُبھرنے والی اس آواز کو دبا کر دنیا کے فائدے حاصل کرتے ہیں انھیں 'ضمیر فروش' کہا جاتا ہے۔ ذیل کی کہانی انسان کے اندر اُبھرنے والی اسی ضمیر کی آواز پر مبنی ہے۔

جان پہچان : حامد حسن قادری ۱۸۸۷ء میں بچھراواں، ضلع مراد آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ بڑودہ میں فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۵ء تک سینٹ جانس کالج، آگرہ میں انھوں نے اُردو اور فارسی کے لیکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۲ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ تحقیق، تنقید اور تاریخ نگاری کے ساتھ ساتھ انھوں نے افسانے بھی لکھے۔ 'داستانِ تاریخِ اُردو، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اُردو، 'صید و صیاد' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ذیل کا افسانہ ان کے افسانوں کے مجموعے 'صید و صیاد' سے لیا گیا ہے۔ ۶؍ جون ۱۹۶۴ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

مشہوْد کی تمام رات نہایت کرب و اضطراب میں گزری تھی۔ صبح کو ملازم نے اخبار لا کر دیا۔ مشہوْد نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اخبار کھولا اور خبروں کے کالم پر نظر دوڑائی۔ یکایک ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ اس سرخی پر اس کی نظر تھی: 'ایک بچہ موٹر سے کچل گیا' وہ واقعے کی تفصیل پڑھنے سے ڈرتا تھا۔ اخبار کو موڑ توڑ کر پھینکنے ہی والا تھا کہ اسے کچھ خیال آ گیا۔ اس نے اخبار کو سیدھا کیا۔ خبر یوں تھی :

"کل تین بجے سہ پہر کو عالم نگر کی سڑک پر ایک چار برس کا بچہ موٹر سے ٹکرا گیا۔ موٹر ایسی تیزی سے نکل گئی کہ اس کا نمبر نوٹ نہ کیا جا سکا۔ بچہ مستری خداداد مرحوم کا تھا۔ زخمی بچے کو اس کی ماں کے پاس مکان نمبر ۷۵، واقع گنج پور پہنچا دیا گیا لیکن دو گھنٹے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔"

مشہوْد دیر تک سر پکڑ کر بیٹھا رہا، پھر خود بخود کہنے لگا، "تو میں اس کا قاتل ہوں۔ مجھے اسی انجام کا اندیشہ تھا۔ کل سے کتنی مرتبہ ارادہ کیا کہ حادثے کی جگہ پر پہنچ کر تحقیقات کروں کہ میری کار سے جو بچہ ٹکرایا تھا، اس کا حشر کیا ہوا، کون تھا اور کس کا تھا؟ لیکن جانے کی ہمّت نہ ہوئی۔ آخر اب معلوم ہو گیا؛ لیکن کیا کروں۔ کیا اس کے گھر جاؤں؟ اس کی ماں سے اپنے جُرم کا اِقبال کروں؟ اس بدنصیب کی تباہ حالت اپنی آنکھوں سے دیکھوں؟ اس کی لعنت و ملامت، غصہ و نفرت کا ہدف بنوں اور اپنے کیے کی سزا بھگتوں؟ یہی ہونا چاہیے لیکن کیا مجھ میں اس کی ہمّت ہے؟"

یکایک مشہوْد نے زور سے گھنٹی بجائی۔ ملازم آیا۔ مشہوْد نے کہا، "فوراً اسباب باندھو۔ میں بمبئی جا رہا ہوں۔" اس نے طے کر لیا کہ اس شہر سے چلے جانا چاہیے۔ یہ بھید کسی کو معلوم نہیں لیکن یہ کانٹا دل میں کھٹکتا رہے گا۔ کہیں دور چلا جاؤں۔ بمبئی کی دلچسپیوں میں

یہ چبھن محسوس نہ ہوگی۔ ضمیر کی آواز دب جائے گی۔ یہ سوچ کر تجوری میں سے نوٹوں کی ایک گڈّی نکال کر واسکوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لی اور اُٹھ کھڑا ہوا کہ چل کر دوستوں سے رخصت ہوآؤں۔ چوک سے گزرا تو اتّفاق سے کوئی میلہ تھا۔ بچے کھلونے، مٹھائیاں لیے ہوئے آجا رہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر مشہوٗد کے دل پر ایک چوٹ لگی اور وہی کل کا بچہ اسے یاد آ گیا۔ "خدا جانے وہ بچہ کس شکل کا تھا، گورا تھا یا کالا؟ خوب صورت یا بدصورت؟" مشہوٗد یوں ہی چکر لگاتا جا رہا تھا کہ یکایک ایک جگہ ٹھہر گیا۔ ادھر ادھر نظر ڈال کر دل ہی دل میں کہنے لگا، "یہ تو گنج کا محلّہ ہے۔ یہیں کہیں اس کا گھر ہوگا۔ کیا نمبر تھا؟.... پچھتّر۔" سامنے کی گلی میں لوگ بہت آجا رہے تھے۔ "اس کے عزیز رشتے دار آتے جاتے ہوں گے۔ میں بھی چلوں۔" یہ سوچ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا چلا۔ اب مشہوٗد کے چہرے پر سکون، چال میں استقلال اور دل میں ہمت تھی۔ مکان نمبر ۷۵ پر پہنچ کر اس نے زنجیر ہلائی۔ ایک بوڑھی عورت دروازے پر آئی۔

مشہوٗد : مستری خداداد مرحوم کی بیوہ اسی مکان میں رہتی ہیں؟

بڑھیا: آیئے، آپ بیٹھک میں آجایئے۔ میں بلاتی ہوں۔ وہ بچّے کے پاس بیٹھی ہیں۔

بیٹھک میں زنانے مکان کا دروازہ تھا۔ ذرا سی دیر میں دروازے کے پاس سے آواز آئی، "آپ نے مجھے بلایا تھا؟ آپ کون ہیں؟ مجھ سے کیا کام ہے؟"

مشہوٗد کا کلیجا اُچھلنے لگا۔ آواز میں حُزن و اندوہ کا اثر ہے۔ ابھی رو کر اُٹھی ہوگی۔ اس پر مصیبت کا پہاڑ میں نے توڑا ہے۔ اس عورت نے پھر کہا، "آپ کون ہیں؟"

مشہوٗد : سنو! جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب بدلا نہیں جا سکتا۔ اور میں جو کچھ کہنے آیا ہوں، اس سے تمھارے صدمے کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تمھاری زندگی اس بچّے کے دَم سے تھی۔ وہ نہ رہا تو اب تمھارے لیے دنیا میں کیا رہا۔ پھر بھی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم جو رقم چاہو مقرر کر کے مجھے بتا دو۔ میں ہر مہینے تمھیں پہنچاتا رہوں گا۔

عورت : میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں! اس مرتبہ آواز میں حیرت تھی۔ کوئی برہمی اور برافروختگی نہ تھی۔

مشہوٗد : بی بی! مجھے خدا نے بہت کچھ دیا ہے۔ میں ہر رقم خوشی سے دے سکتا ہوں اور جب تک تمھاری کوئی خدمت نہ کروں گا، میرے دل کو اطمینان نہ ہوگا۔

عورت : میاں! اللہ آپ کو بہت سا دے، میرا بچہ سلامت ہے۔

مشہوٗد کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ کیا سن رہا ہے۔ متحیّر رہ گیا۔

مشہوٗد : (لرزتی ہوئی آواز سے) بچہ سلامت ہے! میں نے اخبار میں پڑھا...

عورت : مجھ سے آج صبح لوگ کہتے تھے کہ اخبار میں چھپ گیا ہے لیکن وہ خبر غلط ہے۔ بے شک لڑکا موٹر سے ٹکرا کر گر پڑا تھا لیکن چوٹ سے زیادہ دہشت سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں چوٹ جلدی اچّھی ہو جائے گی۔

مشہوٗد کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کو موت کے چنگل سے چھڑا لیا ہو۔ خوشی کے مارے اس کے آنسو نکل آئے۔ کانپتی ہوئی آواز کو سنبھالتے ہوئے بولا، "کچھ حرج نہ ہو تو مجھے بچہ دِکھا دو۔"

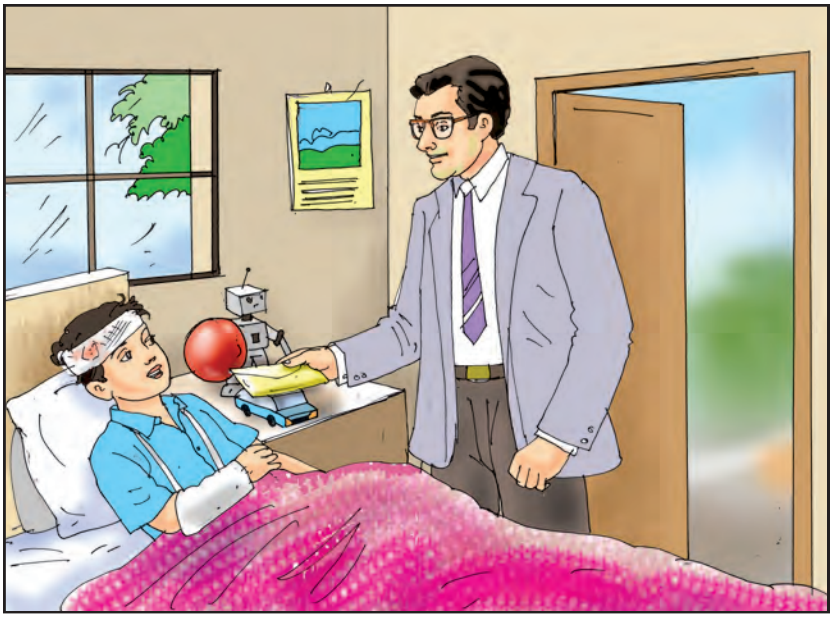

عورت : بہت اچھّا، میں ہٹی جاتی ہوں۔ اندر آ جائیے۔

مشہوٗد اندر گیا تو دیکھا کہ دالان میں ایک خوب صورت گورا چٹّا بچہ پلنگ پر لیٹا کھلونوں سے کھیل رہا ہے۔ اس کا سر اور ایک ہاتھ پٹّیوں سے بندھا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر مشہوٗد کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور پھر خیال آیا کہ اگر میں ضمیر کی آواز کو دبا دیتا اور ادائے فرض کی پروا نہ کرتا تو یہاں تک نہ آتا۔ اس حقیقت سے بے خبر رہتا اور ساری عمر اپنے آپ کو قاتل اور بزدل سمجھتا رہتا اور ہمیشہ اپنے اوپر نفریں کرتا۔

مشہوٗد : بیٹے ! کیسے ہو؟ خیریت سے تو ہو نا؟ کیسے اچھے کھلونے ہیں، کہاں سے لائے؟

بچہ : آپ کون ہیں؟ ڈاکٹر صاحب تو نہیں؟ اب میرا ہاتھ نہ کھولنا۔

مشہوٗد : نہیں میاں، ڈاکٹر نہیں ہوں۔ تمھارے ابا کا دوست ہوں۔ لو، دیکھو، اس میں کیا ہے۔

مشہوٗد یہ کہتا ہوا نوٹوں کی گڈّی سے بھرا لفافہ بچے کے ہاتھ میں دے کر دروازے کی طرف چل دیا۔

معانی و اشارات

کرب	–	غم، رنج، تکلیف	حزن و اندوہ	–	رنج، غم
اضطراب	–	بے چینی	تلافی ہونا	–	کمی پوری ہونا
اقبال کرنا	–	قبول کرنا، مان لینا	برہمی	–	ناراضگی
ہدف	–	نشانہ	برافروختگی	–	غصہ
کلیجا اُچھلنا	–	گھبراہٹ ہونا	نفریں کرنا	–	لعنت بھیجنا

سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

➤ 'جان پہچان' کی مدد سے مصنف کا شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

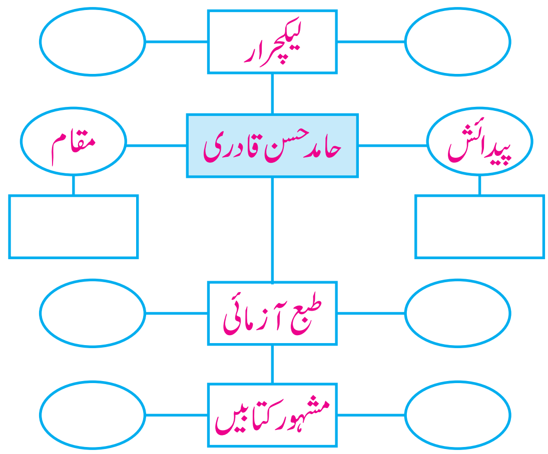

➤ اخبار میں شائع شدہ واقعے سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

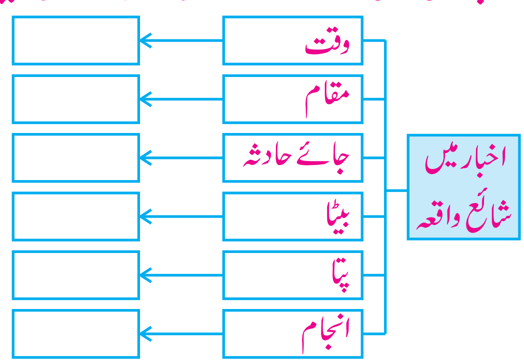

➤ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ اخبار میں کون سی خبر درج تھی؟
۲۔ خبر پڑھ کر مشہوؤ کے منہ سے چیخ کیوں نکل گئی؟
۳۔ مشہوؤ اپنے آپ کو بچے کا قاتل کیوں سمجھ رہا تھا؟
۴۔ خبر پڑھ کر مشہوؤ نے کیا طے کیا؟
۵۔ بچہ کس وجہ سے بے ہوش ہوا تھا؟
۶۔ بچے کی ماں سے ملنے کے بعد مشہوؤ پر کیا راز کھلا؟
۷۔ مشہوؤ اندر گیا تو کیا دیکھا؟

➤ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ مشہوؤ کی تمام رات نہایت کرب و اضطراب میں کیوں گزری؟
۲۔ خبر پڑھنے کے بعد مشہوؤ اپنے آپ سے کیا کہنے لگا؟
۳۔ اخبار میں شائع خبر اور واقعے میں کیا فرق تھا؟
۴۔ اگر مشہوؤ اپنے دل کی آواز پر عمل نہ کرتا تو اس کا انجام کیا ہوتا؟

➤ مفصل جواب لکھیے۔

۱۔ مشہوؤ کے دل پر چوٹ لگنے کی وجہ تحریر کیجیے۔
۲۔ "میں نہیں سمجھی، آپ کیا کہہ رہے ہیں!" عورت کے اس بیان کو سبق کے حوالے سے واضح کیجیے۔

➤ خبر پڑھنے کے بعد مشہوؤ کے ذہن میں کیا خیالات پیدا ہوئے؟

➤ سبق کے جن حصوں اور جملوں کو آپ ضمیر کی آواز خیال کرتے ہیں، انھیں نقل کیجیے۔

بول چال

➤ مندرجہ ذیل محاوروں کا مطلب لکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۔ حشر ہونا ۲۔ دل میں کانٹا کھٹکنا
۳۔ کلیجا اُچھلنا ۴۔ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹنا

➤ قتل کرنے والا 'قاتل' فاعل ہے، اس کی مدد سے مفعول بنائیے۔

➤ جملوں کی قسم پہچانیے۔

۱۔ ممبئی کی دلچسپیوں میں یہ چبھن محسوس نہ ہوگی۔
۲۔ یہ سوچ کر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا چلا۔
۳۔ کیسے اچھے کھلونے ہیں، کہاں سے لائے؟

تلاش و جستجو

➤ سبق سے 'واو عطف' کی چار مثالیں تلاش کرکے لکھیے۔

۱۔ .... ۲۔ ....
۳۔ .... ۴۔ ....

زورِ قلم

➢ درج ذیل نکات کی مدد سے حادثے کی خبر تحریر کیجیے۔

چھٹی کی گھنٹی بجی ...... طلبہ شور کرتے ہوئے میدان سے نکلے ...... ایک بچہ دوڑتا ہوا سڑک پار کرنے لگا ...... اچانک ایک تیز رفتار اسکوٹر آیا......

آیئے، زبان سیکھیں

کے اور کہ

ذیل کی مثالیں دیکھیے :

ہاتھی کے دانت، بادشاہ کے سپاہی ، رانی کے زیور، موسم کے رنگ وغیرہ

ان اضافی ترکیبوں میں 'کے' دو اسموں کے اضافی رشتے کو ظاہر کرتا ہے۔ اسے **حرفِ اضافت** کہتے ہیں۔

اب ذیل کی مثالوں کو پڑھیے۔

ا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے کی صلاحیت حضرت علیؓ میں ہے۔

۲۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ اوّل نمبر سے کامیاب ہوں۔

ان مثالوں میں حرف 'کہ' دو جملوں کو جوڑنے کے لیے آیا ہے، اس لیے اسے **حرفِ عطف** کہتے ہیں۔ دوسری مثال میں کہا گیا ہے : ہم دعا کرتے ہیں، پھر اس جملے کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ کیا دعا کرتے ہیں۔ حرف 'کہ' یہاں بیان کے لیے آیا ہے اس لیے 'کہ' کو **کاف بیانیہ** بھی کہا جاتا ہے۔

➢ ذیل کے جملوں کو مناسب حرفِ عطف سے جوڑیے۔

ا۔ موٹر ایسی تیزی سے نکل گئی .... اس کا نمبر نوٹ نہ کیا جا سکا۔

۲۔ مشہوٗد اندر گیا تو دیکھا .... دالان میں ایک خوبصورت بچہ پلنگ پر لیٹا ہے۔

NLHWS4

تاریخ کے جھروکے سے

اُردو زبان کے چند اہم ابتدائی اخبارات

* برصغیر ہندو پاک کا پہلا اُردو اخبار '**جامِ جہاں نما**' تھا جسے 'ہری ہردت' نے کلکتہ سے جاری کیا تھا۔ ۲۷/ مارچ ۱۸۲۲ء کو اس کا پہلا ایڈیشن منظر عام پر آیا تھا۔ کچھ عرصے بعد چند ناگزیر حالات کی بنا پر اسے فارسی زبان میں منتقل کر دیا گیا۔
* مولوی محمد باقر کی ادارت میں نکلنے والا '**دہلی اُردو اخبار**' اُردو کا ایک اہم اخبار تھا جو ۱۸۳۵ء میں جاری کیا گیا۔ ابتدا میں اس کا نام 'اخبارِ دہلی' تھا جسے ۱۸۴۰ء میں بدل کر 'اُردو دہلی اخبار' کر دیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اس اخبار نے نمایاں کردار ادا کیا۔
* '**اَودھ پنچ**' اُردو کا مزاحیہ ہفت روزہ تھا جسے 'منشی سجاد حسین' نے ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے جاری کیا تھا۔ اس اخبار میں سیاسی خبریں بھی ظریفانہ انداز میں پیش کی جاتی تھیں۔ یہ اخبار مغربی تہذیب کا مخالف اور ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار تھا۔
* ۱۹۰۳ء میں مولوی سراج الدین احمد نے کرم آباد سے '**زمیندار**' نامی اُردو اخبار جاری کیا جس کی ادارت ۱۹۰۸ء سے ان کے فرزند مولوی ظفر علی خاں نے سنبھالی اور اسے کرم آباد سے لاہور منتقل کر دیا۔ یہ اُردو زبان میں ہندوستانی اخبار تھا۔ اس اخبار نے مسلمانوں میں بیداری اور سیاسی شعور کی تربیت میں کلیدی کردار نبھایا۔
* ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے ہفت روزہ '**الہلال**' نامی اخبار جاری کیا۔ یہ اُردو زبان کا پہلا باتصویر سیاسی اخبار تھا جو ٹائپ میں چھپتا تھا۔ اس میں سیاست کے علاوہ معاشیات، نفسیات، تاریخ، جغرافیہ، ادب اور حالاتِ حاضرہ پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کی مقبولیت سے گھبرا کر انگریزوں نے اسے بند کر دیا۔

➢ درج بالا معلومات کو پڑھ کر اس سے متعلق پانچ سوالات بنایئے۔

۳۔ دلّی کا نہاری والا

اشرف صبوحی

پہلی بات : جب کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے تو عام زندگی میں رہن سہن کے علاوہ اس کے کھانے پینے کے طور طریقے بھی بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح مختلف علاقوں میں ہر زمانے میں خورد و نوش کی اشیا کے استعمال میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ موجودہ زمانے میں فاسٹ فوڈ کو پسند کیا جاتا ہے۔ مغلوں اور نوابوں کے زمانے میں طرح طرح کے کھانے پائے جاتے تھے جیسے نہاری جو صبح کے ناشتے کے لیے ایک قسم کا سالن ہوتا ہے اور پایے، بھیجے اور گوشت کو خوب گلا کر بنایا جاتا ہے۔ ذیل کے مضمون میں نہاری اور اس کے سلسلے میں لوگوں کی پسند کو شگفتہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : اشرف صبوحی ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد ولی اشرف تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں اینگلو عربک ہائی اسکول، دلّی سے انھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اشرف صبوحی محکمۂ ڈاک و تار میں ملازم رہے۔ بعد میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہوگئے۔ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ دلّی کے مختلف طبقوں کی بول چال، وہاں کے روزمرہ اور محاورے پر پوری گرفت رکھتے تھے۔ انھوں نے بچوں کے لیے کہانیوں کی درجن بھر کتابیں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ ان کی کتابوں میں 'دلّی کی چند عجیب ہستیاں، غبارِ کارواں، جھروکے،' بن باسی دیوی' وغیرہ شامل ہیں۔ اشرف صبوحی نے چند انگریزی کتابوں کا اُردو ترجمہ بھی کیا۔ ۲۲/ اپریل ۱۹۹۰ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

نہاری کیا تھی، بارہ مسالے کی چاٹ ہوتی تھی۔ امیر سے امیر اور غریب سے غریب اس کا عاشق تھا۔ نہاری اب بھی ہوتی ہے اور آج بھی دلّی کے سوا نہ کہیں اس کا رواج ہے، نہ اس کی تیاری کا کسی کو سلیقہ۔ دلّی کا ہر بھٹیارا نہاری پکانے لگا، ہر نان بائی نہاری والا بن بیٹھا مگر نہ وہ ترکیب یاد ہے، نہ وہ ہاتھ میں لذّت۔ کھانے والے نہ رہیں تو پکانے والے کہاں سے آئیں۔

نہاری کا نام سن کر باہر والے لوٹ ہو جاتے ہیں۔ ملنے والوں سے نہاری کی فرمائش ہوتی ہے۔ اب اگر میزبان سلیقے مند ہے تو خیر ورنہ کھانے والوں کو منہ پیٹنا پڑتا ہے۔ چار آنے کی نہاری میں آٹھ آنے کا گھی کون ڈالے۔ پھر آج کل لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ نہاری کے بعد تر تراتے حلوے یا گاجر کی تری سے مسالوں کی گرمی کو مارا جاتا ہے۔ اس لیے نہاری بدنام ہوگئی ہے۔ اس کے سوا نہاری بیچنے والوں کو بھی تمیز نہیں رہی۔ ایرے غیرے نتھّو خیرے نہاری کی دکانیں لیے بیٹھے ہیں۔ پہلے گنتی کے نہاری والے تھے؛ ایک چاندنی چوک میں، ایک لال کنویں پر، ایک حبش خاں کے پھاٹک میں اور ایک چتلی قبر اور مٹیا محل کے درمیان۔ ان میں سے ہر ایک شہر کا ایک ایک کونا دبائے ہوئے تھا۔ سب سے زیادہ مشہور دلّی کے نہاری والے کی دکان تھی جو گھنٹا گھر کے پاس قابل عطّار کے کوچے اور سیدانیوں کی گلی کے بیچ میں بیٹھتا تھا۔ جب تک یہ زندہ رہا، نہاری اپنے اصلی معنوں میں نہاری رہی۔ یہ کیا مرا کہ نہاری کا مزہ ہی مر گیا۔ نہاری کیا کھاتے ہیں کلیجا جلاتے ہیں۔

یہ دکان ہم نے دیکھی ہے، بلکہ وہاں جا کر نہاری بھی کھائی ہے۔ شوقین دور دور سے پہنچتے تھے۔ گرم گرم روٹی اور تُرت دیگ

سے نکلی ہوئی نہاری ...جتنی نلّیاں چاہیں جھڑوائیں۔ بھیجا ڈلوایا۔ پیاز سے کڑکڑاتا ہوا گھی، بے ریشہ بوٹیاں، ادرک کا لچھا، کتری ہوئی ہری مرچوں کی ہوائی اور کھٹّے کی پھٹکار۔ سبحان اللہ! نواب رام پور کا پورا دسترخوان صدقے تھا۔ گھروں میں اِس سامان کے لیے پورے اہتمام کی ضرورت ہے اس لیے جو اصل میں نہاری کا لطف اُٹھانا چاہتے تھے، انھیں دکان ہی پر جانا پڑتا تھا۔ شہر کے نہاری بازوں کی آج بھی نہاری والوں کے ہاں بھیڑ لگی رہتی ہے۔ صبح سے دس بجے تک تانتا نہیں ٹوٹتا تو اس کا ذکر ہی کیا، خصوصاً دلّی والے کی دکان پر۔ سورج نکلا نہیں کہ لوگوں کی آمد شروع ہوگئی۔ دس اندر بیٹھے کھا رہے ہیں تو بیس پیالے، کٹورے، بادیے، پتیلیاں لیے کھڑے ہیں۔ ایک پیسے سے لے کر دو روپے تک کے گاہک ہوتے تھے لیکن مجال ہے کوئی ناراض ہو یا کسی کو اس کی مرضی کے مطابق نہ ملے۔ زیادہ سے زیادہ نو بجے دیگ صاف ہوجاتی تھی۔

یہ دکان دار 'دلّی کا نہاری والا' کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی آن کا کیا کہنا؛ سنا ہے کہ دلّی کے ایک رئیس اس کی دکان کو خریدنا چاہتے تھے۔ ہزار کوششیں کیں، روپے کا لالچ دیا، جائداد کی قیمت دگنی اور چوگنی لگا دی، یہاں تک کہ دکان میں اشرفیاں بچھا دینے کو کہا۔ دوسرا ہوتا تو آنکھیں بند کرلیتا۔ وہیں کہیں قابل عطّار کے کوچے میں بلّی ماروں میں یا رائے مان کے کوُچے میں جا بیٹھتا لیکن میاں دلّی والے مرتے دم تک اپنی اسی آن سے وہیں بیٹھے رہے۔

ہم پانچ چار دوست پیٹ بھر کر نہاری کے شوقین تھے۔ جاڑا آیا اور نہاری کا پروگرام بنا۔ یوں تو اِتوار کے اتوار باری باری سے کسی نہ کسی کے گھر پر نہاری اُڑا ہی کرتی تھی لیکن ہر پندرھویں دن اور اگر کوئی باہر کا مہمان آ گیا تو اس معمول کے علاوہ بھی خاص دکان پر جا کر ضرور کھا لیا کرتے تھے۔ ہمارا دستور تھا۔ ہم پر کیا منحصر ہے، نہاری بازوں کے یہ بندھے ہوئے قاعدے تھے کہ صبح کے لیے رات سے تیاری ہوتی تھی۔ تازہ خالص گھی دو چھٹانک فی کس کے حساب سے مہیا کیا جاتا تھا۔ گاجر کا حلوا حبش خاں کے پھاٹک یا جمال الدین عطّار سے لیتے تھے۔ اور تو کیا کہوں، اب ویسا حلوا بھی کھانے میں نہیں آتا۔ گندے نالے کی پھکسی ہوئی نیلی سفید، پھیکی سیٹھی، کچّی یا اُتری ہوئی گاجروں کی گلتھی ہوتی ہے۔ اب اور کیا تعریف کروں۔ خیر! صبح ہوئی، مؤذّن نے اذان دی اور نہاری نے پیٹ میں گدگدیاں کیں۔ ہمارے دوستوں میں خدا بخشے ایک سیّد صاحب تھے۔ بڑے زندہ دل، یاروں کے یار، نہایت خدمتی۔ یہ اُن کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ اندھیرے سے اُٹھ کر ایک ایک دوست کے دروازے کی کنڈی پیٹیں اور ایک جگہ سب کو جمع کردیں۔ سامان اسی غریب پر لادا جاتا۔

جب تک ہماری یہ ٹولی زندہ سلامت رہی اور میاں دلّی والے نیچی باڑ کی مَسلی مسلائی لیس دار ٹوپی سے اپنا گنج ڈھانکے، چھینٹ کی روئی دار کمری کی آستینوں کے چاک اُلٹے، آلتی پالتی مارے، چمچہ لیے دیگ کے سامنے گدّی پر دِکھائی دیتے رہے، نہ ہمارا یہ معمول ٹوٹا اور نہ نہاری کی چاٹ چھوٹی۔ دو چار مرتبہ کی تو کہتا نہیں ورنہ عموماً ہم اتنے سویرے پہنچ جاتے تھے کہ گاہک تو گاہک دکان بھی پوری طرح نہیں جمنے پاتی تھی۔ کئی دفعہ تو تنور ہمارے پہنچنے پر گرم ہونا شروع ہوا اور دیگ میں پہلا چمچا ہمارے لیے پڑا۔ دکان کے سارے آدمی ہمیں جان گئے تھے اور میاں دلّی والے کو بھی ہم سے ایک خاص دلچسپی ہوگئی تھی۔ تین چار موقعوں پر اُس نے خصوصیت کے ساتھ ہمارے باہر والے احباب کی دعوت بھی کی اور یہ تو اکثر ہوتا تھا کہ جب علی گڑھ یا حیدرآباد کے کوئی صاحب ہمارے ساتھ ہوتے، وہ معمول سے زیادہ خاطر کرتا۔ فرمائش کے علاوہ نلّی کا گودا، بھیجا اور اچھّی اچھّی بوٹیاں بھیجتا رہتا اور باوجود اصرار

کے،کبھی ان چیزوں کی قیمت نہ لیتا۔اب یہ اپنے شہر والوں کی پاس داری کہاں؟ ہماری وضع میں کیا سلوٹیں آئیں کہ زندگی کی شرافت ہی میں جھول پڑ گئے۔

باتیں بڑے مزے کی کرتے تھے۔مجھ کو پرانے آدمیوں سے پرانی باتیں سننے کا بچپن سے لپکا ہے۔جب تک دکان لگتی، گاہک آتے میں اُن کا دماغ چاٹا کرتا۔ایک دفعہ میرے چند دوست باہر سے آگئے اور آتے ہی فرمائش کی،"یار، نہاری نہیں کھلواتے؟" میں نے کہا،"نہاری! کل صبح ہی سہی۔ وہیں سے نظام الدینؒ چلے چلیں گے۔" شام کو سیّد صاحب سے کہہ دیا اور سویرے ہی دکان پر جا پہنچے۔دیگ ابھی کُھلی نہ تھی۔تنور گرم ہو رہا تھا۔ہمیں دیکھتے ہی دلّی والے کہنے لگے،"حضّت، پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ذرا تنور کا تاؤ آجائے۔مگر آج یہ آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ پنجاب کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں، خاص مالیرکوٹلہ کے رہنے والے ہیں۔میں نے کہا، کیا یاد کریں گے۔نہاری تو کھلا دو۔"

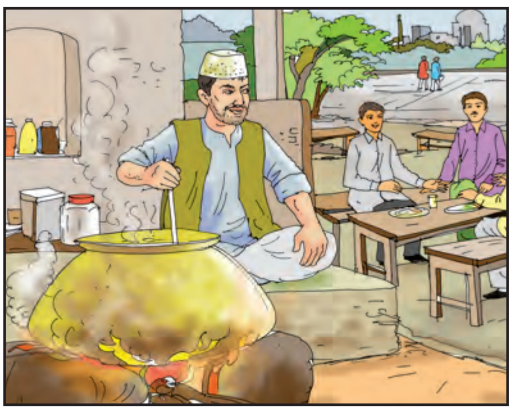

"مگر میاں، نہاری میں تو مرچیں زیادہ ہوتی ہیں۔"

"جو کچھ بھی ہو، کوئی صورت ایسی نہیں کہ مرچوں کی جھونجھ کم ہو جائے۔"

"کھٹّے اور گھی کے سوا اور کیا علاج ہے لیکن میاں تمھارے کھانے کا مزہ جاتا رہے گا۔"

"خیر! اللہ مالک ہے،۔ کھلاؤ تو سہی۔"

"اپنی طرف سے تو کمی نہیں کروں گا، پھر بھی ناک آنکھ بہنے لگے تو ان کی تقدیر۔"

معانی و اشارات

چاٹ	-	مزہ، ذائقہ، عادت
آن	-	عزّت
لوٹ ہو جانا	-	مراد بہت پسند کرنا
چھٹانک	-	پچاس گرام وزن
چھینٹ	-	ایک قسم کا بوٹے دار کپڑا، رنگین کپڑا
کلیجا جلانا	-	کُڑھنا
خاطر کرنا	-	مہمان نوازی کرنا
گلتھی	-	نرم، ملائم
جھونجھ	-	مراد تیکھا پن
بادیہ	-	بڑا پیالہ
کمری	-	ایک قسم کی جیکٹ
لپکا	-	شوق

مشقی سرگرمیاں

➤ ذیل کا شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

دلّی میں نہاری کی دکانوں کے مقامات

➤ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ نہاری کیا ہوتی ہے؟

۲۔ نہاری کے بعد تر تراتے حلوے یا گاجر کی تری کیوں کھائی جاتی ہے؟

۳۔ دلّی کے نہاری والے کی دکان کہاں تھی؟
۴۔ نہاری بازوں کے قاعدے کیا تھے؟
۵۔ مصنف کے دوست سیّد صاحب کی ڈیوٹی کیا ہوتی تھی؟
۶۔ میاں دلّی والے کو مصنف سے خاص دلچسپی کیوں ہوگئی تھی؟

◄ 'جان پہچان' کی مدد سے ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

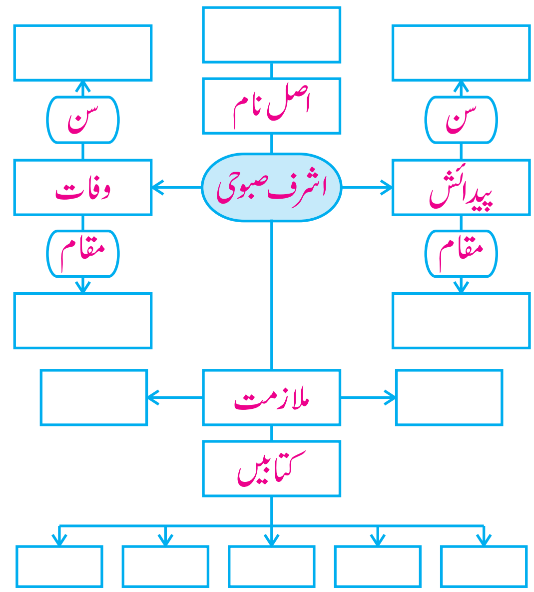

◄ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ نہاری بدنام کیوں ہوگئی ہے؟
۲۔ دلّی کے نہاری والے کی کن خوبیوں کی وجہ سے مصنف اکثر انھی کی دکان پر نہاری کھانے جاتے تھے؟
۳۔ نہاری کھانے کے پروگرام کے لیے مصنف اور ان کے دوستوں کا کیا معمول تھا؟
۴۔ باہر والے احباب کی دعوت یا مہمانوں کی آمد پر دلّی کا نہاری والا کس طرح خاطر کرتا تھا؟

◄ مفصل جواب لکھیے۔

۱۔ دلّی کے نہاری والے کی دکان کو خریدنے کے لیے ایک رئیس کی کوششیں بیان کیجیے۔
۲۔ دلّی کے نہاری والے کا حلیہ بیان کیجیے۔
۳۔ پنجاب کے مہمان کی آمد پر مصنف اور نہاری والے کی گفتگو کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

◄ سبق سے بولی کے الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔

◄ اس سبق میں جن شہروں کا ذکر آیا ہے، ان کے نام لکھیے۔

◄ درج ذیل جملوں کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ذاتی تاثرات قلم بند کیجیے۔

۱۔ یہ کیا مرا کہ نہاری کا مزہ ہی مر گیا۔ نہاری کیا کھاتے ہیں، کلیجا جلاتے ہیں۔
۲۔ سبحان اللہ! نواب رام پور کا پورا دسترخوان صدقے تھا۔
۳۔ ہماری وضع میں کیا سلوٹیں آئیں کہ زندگی کی شرافت ہی میں جھول پڑ گئے۔

بول چال

◄ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کے معنی واضح ہوجائیں۔

۱۔ منہ پیٹنا ۲۔ کلیجا جلانا
۳۔ پیٹ میں گدگدیاں کرنا ۴۔ کنڈی پیٹنا
۵۔ دماغ چاٹنا

وسعتِ میرے بیان کی

◄ درج ذیل بیان کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ اگر میزبان سلیقہ مند ہے تو خیر ورنہ کھانے والوں کو منہ پیٹنا پڑتا ہے۔
۲۔ چار آنے کی نہاری میں آٹھ آنے کا گھی کون ڈالے۔

زورِ قلم

◄ آپ کے شہر کی کسی مشہور دکان اور اس کی خصوصیت سے متعلق مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمی

◄ اسکول کی لائبریری سے مُلّا واحدی کا مضمون 'چچا کبابی دلّی والے' حاصل کرکے پڑھیے۔

۴۔ ماریشس کی سیر

صغریٰ مہدی

پہلی بات : ہر ملک کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ ان ملکوں کی معلومات حاصل کرنے اور نئی نئی جگہیں دیکھنے کا شوق بہت سے لوگوں کو ہوتا ہے۔ یہ لوگ 'سیاح' کہلاتے ہیں جو دنیا دیکھنے کے شوق میں سیاحت کرتے ہیں اور بہت سی نئی معلومات اور کارآمد تجربات حاصل کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تجارت کے لیے، کچھ حصولِ تعلیم کے لیے، کچھ مذہبی مقامات کی زیارت کے لیے تو کچھ لوگ محض تفریح کے لیے سیاحت کرتے ہیں۔ 'ماریشس کی سیر' ایک سفرنامہ ہے جس میں بیرونِ ملک کے سفر کی رسمی کارروائیوں سے لے کر اس ملک کی سیاحت تک کی تفصیلات موجود ہیں۔

جان پہچان : صغریٰ مہدی کا اصل نام سیّدہ امامت فاطمہ تھا۔ وہ ۸/ اگست ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد سیّد علی مہدی پولس انسپکٹر تھے۔ صغریٰ مہدی کی ابتدائی تعلیم اپنے دادا کی نگرانی میں ہوئی۔ ڈاکٹر عابد حسین ان کے ماموں اور صالحہ عابد حسین ان کی ممانی تھیں۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ، دلّی سے حاصل کی اور وہیں پروفیسر ہوگئیں۔ انھیں بچپن ہی سے ادب کا ذوق تھا۔ ان کا پہلا ناول 'پابہ جولاں' ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۷/ مارچ ۲۰۱۴ء کو دلّی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ماریشس ایک انوکھا ملک ہے؛ بہت خوبصورت وحسین جزیرہ! وہاں کافی تعداد میں ہندنژاد لوگ رہتے ہیں۔ وہاں اُردو، ہندی بولی جاتی ہے، پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ وہاں سے طالبِ علم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملّیہ اسلامیہ اور لکھنؤ اُردو ہندی پڑھنے آتے ہیں۔ ہندی شعبے کے کئی رفیق ماریشس جاچکے ہیں۔ اطہر پرویز مرحوم جن کا تعلق مکتبہ جامعہ اور علی گڑھ سے تھا، وہاں اُردو پڑھانے کے لیے عرصے تک رہے تھے۔ ہماری ایک طالبِ علم یاسمین بودھی بھی ماریشس کی تھیں۔ انھوں نے ہمیں ماریشس آنے کی پرزور دعوت دی۔ "آپ ماریشس کو بہت پسند کریں گی۔ ضرور کبھی آئیے گا۔"

"ضرور۔" ہم نے فوراً وعدہ کرلیا اور اب جن ملکوں کی سیر کا ارادہ ہے، ان میں ماریشس کا بھی اضافہ کرلیا ہے۔

خدا بڑا مسبّبُ الاسباب ہے۔ نومبر کے مہینے میں یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ ماریشس میں اُردو کانفرنس ہورہی ہے اور ہندوستان سے ایک وفد جارہا ہے۔ کاش، ہم بھی اس میں ہوتے! ۳/ دسمبر کو مژدہ ملا کہ ہمارا نام بھی اس میں ہے۔ پاسپورٹ ہمارا ہر دم تیار ہی رہتا ہے۔ بس فارین ایکسچینج لینے کے لیے جانا پڑا۔

شام کو پانچ بجے ہم اِندرا گاندھی ایئرپورٹ کے ایئر انڈیا کے کاؤنٹر پر کھڑے ہوگئے۔ سیّد حامد صاحب اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ایک طرف الگ کھڑے تھے۔ ایک خاتون چہرے پر غضب کی طمانیت، ہاتھ میں بیگ لیے بیگم حامدہ حبیب اللہ بھی تھیں۔

ع : دل نے کہا کہ لطفِ سفر ہے انھی کے ساتھ

ایئر انڈیا کی فلائٹ گیارہ بجے کے قریب بمبئی پہنچنے والی تھی اور ماریشس کی فلائٹ تین بجے تھی۔ سوتے جاگتے دہلی سے بمبئی کا سفر تمام ہوا۔ بمبئی پہنچ کر فوراً ایئر ماریشس میں آئے۔

ماریشس کا سفر بمبئی سے چھ گھنٹے کا ہے۔ وقت میں ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ پھر ناشتہ، سونا، فلم اور گیارہ بجے جہاز نے ماریشس

پر لینڈ کیا۔ بہت سے لوگ ہمیں لینے آئے۔ ہمارے ساتھ لکھنؤ کے مسٹر گپتا جی اور ان کی بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ گپتا جی بہت باغ و بہار انسان ہیں۔ اُردو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ انھوں نے کانفرنس میں جو پرچہ پڑھا، اس کا موضوع تھا 'اُردو اور سیکولرزم' اور مشاعرہ تو انھوں نے لوٹ لیا۔

پھر ایک بہت بڑی وین میں بیٹھ کر ہم لوگ ہرے بھرے درختوں سے گزرتے، پرسکون سڑکوں سے ہوتے، تر و تازہ ہوا اور ایک خاص طرح کی بھینی بھینی خوشبو کے احساس کے ساتھ ہوٹل پہنچے۔ میزبان نے اطلاع دی کہ چار بجے گارڈن پارٹی ہے۔ پارٹی میں سب لوگ بہت خوش تھے۔ کچھ خواتین گجراتی لباس میں تھیں۔ بعض مغربی لباس میں اور زیادہ تر شلوار قمیص میں تھیں۔

ماریشس کی بول چال کی زبان کریول ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ فرانسیسی بھی سمجھی جاتی ہے۔ ہندی اور اُردو بھی سبھی تھوڑی بہت بول لیتے ہیں۔ اس پارٹی میں دو چار نوجوان خواتین ہم سے پوچھنے لگیں، "یوسف بھائی کیوں نہیں آئے؟" چند لمحوں کو تو ہم چکرائے کہ مطلب دلیپ کمار سے ہے۔ یاد آیا کہ موصوف سے متعلّق ایک کتابچہ بھی اس تقریب میں تقسیم ہوا تھا۔ اخبار میں یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ بھی ورلڈ کانفرنس میں جا رہے ہیں۔ پھر بیماری کی خبر بھی آئی تھی۔ ہم فوراً سنبھل گئے، "جی، ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا ہے اس لیے..."

صاحبو! ہے یوں کہ خاکسار کو دورانِ سفر مقامات اور مناظر سے زیادہ انسانوں اور ان کے روّیوں سے دلچسپی ہے۔

گارڈن والی پارٹی میں شہر کی ایک متموّل خاتون سے ہماری ساتھی فہمیدہ بیگم کی شناسائی ہوگئی تھی۔ ان کا نام شاہدہ اور کام بزنس تھا۔ ماریشس آنے والے ادیبوں، فنکاروں کی میزبانی اُن کے ہاں تھی۔ ۷ر تاریخ کو لنچ سے پہلے ہمارے ہوٹل میں گورنر صاحب اور کمشنر صاحب آنے والے تھے اور ایک میٹنگ ہونی تھی۔ ناشتے کے بعد فہمیدہ بیگم، گلزار نقوی اور ہم شاہدہ کے ساتھ نکل گئے۔ اُس دن بازار بند تھے۔ اس شہر میں جہاں شاہدہ ہم کو لے گئی تھیں، بہت پوش علاقہ تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ سڑکیں صاف ستھری تھیں۔ لوگ آ جا رہے تھے مگر بھیڑ بھڑ کا نہیں تھا، دھکّم پیل نہیں تھی۔ ٹریفک کا شور نہیں تھا۔ خوب صورت اور صاف ستھرے بنگلا نما گھر تھے۔ ایک بڑی سی دکان کھلی تھی۔ اس کے آگے پٹری پر بھی کچھ سامان، کپڑا وغیرہ بک رہا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر کے حضرت نے جو کوٹ پتلون میں ملبوس تھے، ہم سے پوچھا، "آپ اُردو کی ورلڈ کانفرنس میں انڈیا سے آئی ہیں؟" مارے خوشی کے ہمارا برا حال ہوگیا۔ تو یہاں کے کاروباری لوگ بھی اُردو ورلڈ کانفرنس اور انڈیا سے دلچسپی رکھتے ہیں! پھر وہ ہم سے پوچھنے لگے، "انڈیا میں لوگ ماریشس کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں؟" ہم نے کہا، "بہت اچھے، نہایت دوستانہ۔ ہم کو تو یہاں سب کچھ اپنا سا لگتا ہے۔" پھر تو اُن کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ ہم نے شاہدہ کی مدد سے کچھ خریدا بھی۔ ہم نے دکان کے مالک سے کہا، "اچھا، شکریہ۔ اب تو کانفرنس میں ملاقات ہوگی۔" بولے، "طلعت عزیز کے پروگرام میں آئیں گے۔ غزلیں بہت اچھی لگتی ہیں۔"

شاہدہ چاہتی تھیں کہ ہم اُن کے گھر جائیں مگر ہمیں ہوٹل پہنچنے کی جلدی تھی جہاں گورنر صاحب اور ہائی کمشنر صاحب پہنچنے والے تھے۔ راستے میں گلزار نقوی صاحب رطب اللّسان تھے؛ ماریشس کے قدرتی مناظر کے، 'بہت اہم لوگوں' کی سادگی، عام لوگوں کی گرم جوشی کے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ زباں زدِ خاص و عام شعر ماریشس پر صادق آتا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اب ہم جہاں سے گزر رہے تھے، ایک طرف کچھ جھونپڑی جیسے گھر تھے۔ کبھی کبھی گنّے کے ہرے بھرے کھیت آجاتے تھے۔ دوسری طرف لیچی کے باغ تھے۔ گھنے پیڑوں پر سرخ سرخ لیچیوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ باغ سے باہر سڑک کے کنارے عورتیں اور بچے بیچنے کے لیے لیچیاں لیے بیٹھے تھے۔ لیچی کافی میٹھی تھی۔

ہوٹل پہنچے تو میٹنگ شروع ہوگئی تھی۔ ہائی کمشنر صاحب ماریشس کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہے تھے۔ کانفرنس ۹ر دسمبر کو شروع ہونی تھی اور ہم لوگ تین دن پہلے پہنچ گئے تھے۔ کانفرنس کے منتظمین نے پروگرام اس طرح بنایا تھا کہ ہم لوگ تھوڑی دیر کو بھی یہ محسوس نہ کریں کہ ہم دیارِ غیر میں ہیں۔

ماریشس اپنے خوبصورت ساحلوں کے لیے مشہور ہے۔ دو ایک ساحل ہم نے بھی دیکھے: چوڑے چوڑے ساحل اور دور تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، اُس دن اِتوار کی وجہ سے کافی چہل پہل تھی۔ واپسی میں ہم اُس ساحل پر اُترے جہاں خواتین و حضرات اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں زیادہ تر انگریز اور فرانسیسی لوگ رہتے ہیں۔ وہاں سے واپسی میں بوٹانیکل گارڈن گئے جہاں ہندوستانی لیڈروں کے لگائے ہوئے پودے بھی تھے۔

۹ر دسمبر کو کانفرنس کا افتتاح ہوا۔ کانفرنس تین دن تک جاری رہی۔ زیادہ تر مقالوں میں اس کا بیورا پیش کیا گیا کہ اُردو کہاں کہاں بولی، پڑھائی اور سکھائی جاتی ہے۔ تینوں دن کانفرنس کے سارے سیشن بہت کامیاب رہے۔

۱۲ر کی دوپہر کو ہماری روانگی تھی۔ اُس دن پورٹ لوئس میں واقع اُردو انسٹی ٹیوٹ جانا تھا جو ایک طرح سے اُردو کا مرکز ہے۔ اُس کے سرپرست جناب احمد صاحب ہیں۔ اس کے روحِ رواں جناب عنایت حسین عیدن ہیں۔ وہ بہت انکسار سے بتا رہے تھے کہ وہاں اُردو کے فروغ میں کیا اُلجھنیں ہیں اور وہ اُن سے کیسے نمٹتے ہیں۔

ہوٹل آ کر جلدی جلدی سامان سمیٹا اور ایئر پورٹ کی طرف چل دیے۔ اب دل میں لوگوں کی محبت کا احساس تھا اور ماریشس کے حسین مناظر دل پر نقش تھے۔

معانی و اشارات

ہند نژاد	–	ہندوستانی نسل کا
رفیق	–	ساتھی، دوست
مسبّب الاسباب	–	سبب پیدا کرنے والا مراد اللہ تعالیٰ
مژدہ	–	خوش خبری
فارین ایکسچینج	–	بیرونی زرِ مبادلہ، اپنے ملک کی کرنسی دے کر کسی دوسرے ملک کی کرنسی لینا
باغ و بہار انسان	–	خوش مزاج انسان
متموّل	–	مال دار، دولت مند
پوش علاقہ	–	صاف ستھرا علاقہ جہاں امیر لوگ رہتے ہیں
رطب اللسان	–	مداح، بہت تعریف کرنے والا
صادق آنا	–	سچ ثابت ہونا

بیورا - تفصیل
انکسار - عاجزی، خاکساری

سیشن - جلسے
روحِ رواں - اہم شخصیت

مشقی سرگرمیاں

➤ 'جان پہچان' کی مدد سے ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

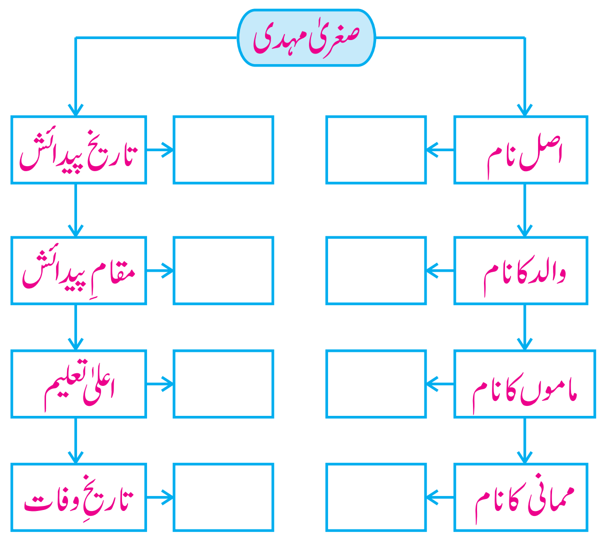

➤ سبق کا مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ صرف نام لکھیے۔

۱۔ ماریشس میں اُردو پڑھانے والے
۲۔ ماریشس کی طالبہ
۳۔ لکھنؤ کے میئر
۴۔ گارڈن والی پارٹی میں شریک متمول خاتون

۲۔ درج ذیل رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

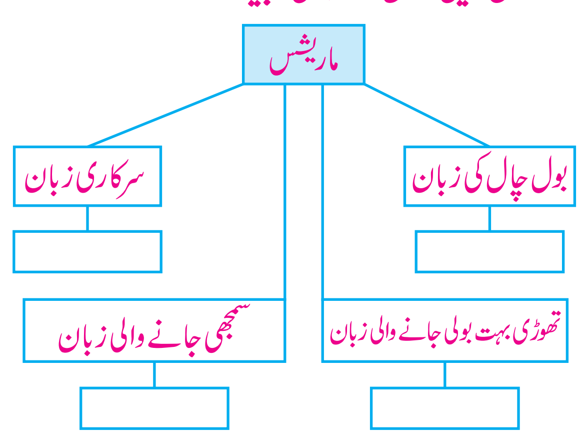

۳۔ ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

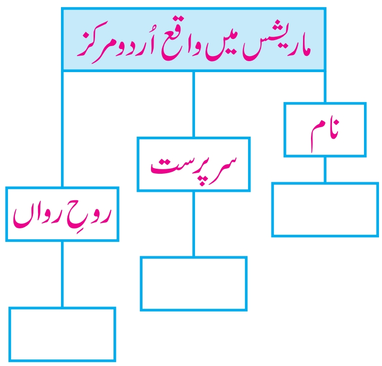

➤ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ ماریشس میں کون کون سی زبانیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں؟
۲۔ مصنفہ کو ماریشس آنے کی دعوت کس نے دی؟
۳۔ ماریشس کے سفر میں مصنفہ کے ساتھ کون کون تھے؟
۴۔ لکھنؤ کے میئر گپتا جی نے کس کانفرنس میں کس موضوع پر پرچہ پڑھا؟
۵۔ گارڈن پارٹی میں خواتین کس طرح کا لباس پہنے ہوئی تھیں؟
۶۔ ورلڈ کانفرنس میں یوسف صاحب کیوں نہیں شریک ہو سکے؟
۷۔ مصنفہ کا خوشی کے مارے برا حال کیوں ہوگیا؟
۸۔ ماریشس کس لیے مشہور ہے؟
۹۔ ماریشس کانفرنس کے منتظمین نے پروگرام کس طرح ترتیب دیا؟

➤ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ مصنفہ ماریشس کا سفر کیوں کرنا چاہتی تھیں؟
۲۔ مصنفہ شاہدہ کے گھر کیوں نہ جا سکیں؟
۳۔ ماریشس اُردو کانفرنس کے بارے میں ترتیب وار لکھیے۔

➢ مفصل جواب لکھیے۔

۱۔ مصنفہ نے ماریشس میں شاہدہ کے ساتھ جس شہر میں تفریح کی اس کی تفصیل ان نکات کے تحت لکھیے :
علاقہ، موسم، سڑکیں، گھر۔

۲۔ ماریشس کے بازار سے متعلق مصنفہ کے تاثرات قلم بند کیجیے۔

۳۔ سبق کی مدد سے ماریشس میں اُردو کے بارے میں تفصیل دیجیے۔

۴۔ ماریشس کے ساحل سے متعلق مصنفہ کے تاثرات لکھیے۔

سیدھی بات

➢ درج ذیل بیانات کو سبق کی روشنی میں صحیح کرکے دوبارہ لکھیے۔

۱۔ اُردو کانفرنس میں شرکت کے لیے مصنفہ امریکہ گئیں۔

۲۔ میزبان نے اطلاع دی کہ چار بجے غزل کا پروگرام ہے۔

۳۔ پارٹی میں دو چار نوجوان ہم سے پوچھنے لگے، "یوسف بھائی کیوں نہیں آئے؟"

۴۔ گھنے پیڑوں پر سرخ سرخ انگوروں کے گچھے لٹک رہے تھے۔

۵۔ واپسی میں بوٹانیکل گارڈن گئے، جہاں ہندوستانی لیڈروں کے مجسّمے لگے ہوئے تھے۔

۶۔ ہائی کمشنر صاحب ممبئی کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہے تھے۔

زورِ قلم

➢ 'میرا یادگار سفر' اس عنوان پر دس سطریں لکھیے۔

➢ 'احوالِ سفر' سرخی کے تحت اسکول کی تعلیمی سیر کا احوال درج ذیل نکات کی مدد سے لکھیے۔

(الف) سیر کا تجسّس (ب) تیاری
(ج) تفریحی مقام (د) مشاہدات
(ہ) تاثرات

آیئے، زبان سیکھیں

مترادف الفاظ

ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے۔

۱۔ مال و دولت کے سارے وسائل انھیں حاصل تھے۔

۲۔ وہ بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔

۳۔ گیتا جی بہت باغ و بہار انسان ہیں۔

۴۔ لوگ آ جا رہے تھے مگر دھکم پیل نہیں تھی۔

۵۔ اتنے موٹے تگڑے ہو کر بھیک مانگتے ہو۔

بات میں زور پیدا کرنے کے لیے ہم کبھی اپنے جملوں میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں۔ یعنی دونوں لفظوں کے معنی یکساں ہوتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں 'مال و دولت، غور و فکر، باغ و بہار' کی ترکیبوں میں بھی لفظوں کے معنی ملتے جلتے ہیں۔ ان کے علاوہ 'دھکم پیل' اور 'موٹے تگڑے' میں دونوں اجزا معنی کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ وہ الفاظ جو معنی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں، انھیں **'مترادف الفاظ'** کہتے ہیں۔

➢ پڑھے گئے اسباق میں سے مترادف الفاظ کی مثالیں تلاش کیجیے۔

واو عطف

کبھی کبھی مختلف معنی والے الفاظ کو بھی 'و' سے جوڑا جاتا ہے۔ جیسے: خواتین و حضرات، کردار و واقعات، شب و روز۔ دو لفظوں کو جوڑنے والے 'و' کو **'واو عطف'** کہتے ہیں۔ اس طرح 'و' سے جوڑ کر بننے والی ترکیب کو **'عطفی ترکیب'** کہتے ہیں۔ انھیں پڑھتے یا ادا کرتے وقت 'و' کو پہلے آنے والے لفظ کے آخری حرف سے جوڑ کر پڑھنا یا ادا کرنا چاہیے۔ جیسے: مالو دولت/ شبو روز وغیرہ۔ اس طرح 'و' سے جڑنے والے لفظوں کو **'معطوف'** کہا جاتا ہے۔ عطفی ترکیبوں میں 'و' کے معنی 'اور' ہوتے ہیں۔

NM6NVE

۵۔ سڑک

ڈاکٹر صفدر

پہلی بات : راستے ہمیں منزلوں تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے بغیر سفر کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ روزانہ سڑک سے ہزاروں لوگ گزرتے ہیں لیکن ہماری زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے اور بدلتے حالات نے سڑک کی معنویت کو کس طرح تبدیل کیا ہے، ان پہلوؤں پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا۔ آس پاس بکھری ہوئی چیزوں کے ہم اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ ان سے متعلق کوئی نئی بات ہمارے ذہن میں نہیں آتی۔

'سڑک' ایک انشائیہ ہے۔ انشائیہ ہمیں زندگی کو ایک نئی نظر سے دیکھنے اور سوچنے پر آمادہ کرتا ہے۔ انشائیے میں روزمرہ کی دیکھی بھالی چیزوں کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ معنویت کے نئے نئے پہلو نکل آتے ہیں۔

جان پہچان : ڈاکٹر صفدر یکم جولائی ۱۹۴۶ء کو اَچل پور، ضلع امراوتی (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ورود میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد وہ بحیثیت پرنسپل سبکدوش ہوئے۔ وہ نامور ناقد، جدید شاعر اور طنز و مزاح نگار تھے۔ 'شاعری اور شیوۂ پیغمبری'، جدید شعری تنقید، بے آمیز (تنقید)، 'قلقلِ آبِ وضو' اور 'لفظوں پہ رم (شاعری)'، آئینۂ خنداں' (انشائیے) ان کی تصانیف ہیں۔ مثالی مدرّس کے اعزاز کے علاوہ مہاراشٹر اور بہار اُردو اکیڈمیوں نے انھیں انعامات سے نوازا ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین میں بھی شگفتہ اسلوب پایا جاتا ہے۔ ان کے مزاحیہ مضامین اور انشائیے ماہنامہ 'شگوفہ' حیدرآباد اور دیگر اہم رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ۲۶/ مارچ ۲۰۲۱ء کو ڈاکٹر صفدر کا امراوتی میں انتقال ہوا۔

میں اپنے کمرے کی اس کھڑکی میں آ بیٹھا ہوں جو ایک بھری پُری شاہراہ کی طرف کھلتی ہے۔ میرے دائیں بائیں واصف اور فضیل ہیں۔ میرے سامنے سڑک ہے۔ میں چونک پڑتا ہوں اس لیے کہ واصف کہتا ہے یہ سڑک امراوتی سے آرہی ہے۔ فضیل کہتا ہے، یہ سڑک ناگپور جارہی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ سڑک ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سڑک بیک وقت آرہی ہے، جارہی ہے اور موجود بھی ہے۔ اب یہ کھڑکی جو شاہراہ کی طرف کھلتی ہے، میری سوچ کی کھڑکی بن جاتی ہے اور سڑک میرے فکر و تخیّل پر رواں دواں ہے۔

سڑک کی ابتدا نقشِ کفِ پائے آدم سے ہوتی ہے۔ حضرت آدمؑ نے حضرت حوّا کی تلاش میں چلتے ہوئے جب پیچھے مڑکر دیکھا، حضرت حوّا تو نظر نہ آئیں، اُن کے نقشِ قدم سے بنی ایک سطر پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔ آج سڑک کے طول و عرض میں دن دونی رات چوگنی ترقّی ہورہی ہے۔ اس کے طول کا ناپنا تو خیر ایک ناممکن سی بات ہے، اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے میں شہر شہر اَن گنت لوگ اپنی جانیں گنوا رہے ہیں۔ غرض یہ کہ حضرتِ انسان نے بے خیالی میں جو سب سے پہلا خط زمین پر کھینچا، وہ سڑک ہے۔ پھر سڑک نے بنی نوعِ انسان کو کھینچنا شروع کردیا۔ اب زندگی اسی کھینچ تان کا نام ہوکر رہ گئی ہے۔ کھینچا تانی کی ایک صدی میں سڑک کہاں پہنچی اور ہم کس حال کو پہنچے، یہ ایک المناک حقیقت ہے۔ آئیے ...سڑک کے اس سفر پر نظر ڈالیں۔

پہلے سڑک کسی منزل کا اشاریہ ہوتی تھی مثلاً ناگپور روڈ، ممبئی روڈ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ ناگپور روڈ کا مسافر ناک کی سیدھ میں چلتا رہا تو سڑک کے مسافر کا ناگپور پہنچنا یقینی ہے۔ یہ بھی اُس وقت کی بات ہے جب سڑک کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ سڑک کے بطون

میں جب احساسِ خودی جاگا تو اس نے اپنے نسبتی نام تیاگ دیے اور انسانوں کی طرح اپنے نام رکھ لیے : گاندھی روڈ، امبیڈکر روڈ، مولانا آزاد روڈ وغیرہ۔

مگر یہ بات بھی گئی گزری ہوگئی۔ یہ سڑک کے سفر کی ایک منزل تھی۔ آج سڑک اُس منزل سے بہت آگے نکل گئی ہے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے جب احساسِ خودی سے مُتّصِف ہونے کے باوجود سڑک احترامِ آدمیّت کی قائل تھی۔ اب آدمی تھک کر گر پڑا ہے اور سڑک آگے نکل گئی ہے۔ آگے نکلنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ اب سڑک آدمی کا نام اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پسماندہ علاقوں کی سڑکیں آدمی کا نام گوارا کر لیتی ہیں۔ ترقّی یافتہ سڑکیں یہ بات قبول نہیں کرتیں۔ وہ سڑک نمبر ۱۲، سڑک نمبر ۱۸ کہلانا پسند کرتی ہیں۔ ہم اپنے شہر میں منظور پورہ، بلند پورہ، فرمان پورہ نہیں جاتے، سڑک نمبر ۱۷، سڑک نمبر ۱۸ ہماری منزلِ مقصود ہوتی ہے۔

پہلے آدمی گھر میں رہتا تھا اور ضرورتاً سڑک پر جاتا تھا۔ اب آدمی سڑک پر رہتا ہے اور ضرورتاً گھر جاتا ہے، بلکہ کامیاب رہائش یہ ہے کہ آدمی سڑک اور گھر کے درمیان کی ہر حدِّ فاصل کو ختم کر دے۔ سڑک ہی گھر ہو اور گھر ہی سڑک ہو۔ اس کامیابی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مکان لبِ سڑک ہو۔ لبِ سڑک مکان کی قیمت آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ پستیوں میں پنہاں بلندیوں کا راز یوں بھی منکشف ہوا ہے۔ لبِ سڑک مکان میں رہنے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی گھر میں رہ کر بھی سڑک سے تعلّق بنائے رہتا ہے۔ آپ گھر میں کھانا کھا رہے ہوں یا بچوں کو پیار کر رہے ہوں، اہلِ سڑک کو نظّارے کی عام دعوت ہے۔

بعض اوقات تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ نہ صرف مکان اور سڑک کے درمیانی پردے ہٹ گئے ہیں بلکہ بہتی بھیڑ نے سڑک کو سڑک رکھا ہی نہیں۔ 'بہتی بھیڑ' بنا دیا ہے۔ بھیڑ اور بھیڑ کا آدمی دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ میرے پاس وقت نہیں ہے کہ ٹھہروں اور ٹھہر کر نظارہ کروں۔

اب آدمی سڑک بن کر رہ گیا ہے۔ وہ بھی سڑک کی طرح معلوم نہیں کہاں سے آ رہا ہے۔ معلوم نہیں کہاں جا رہا ہے! جس طرح سڑک کا کوئی اُور چھور نہیں، اسی طرح اپنا حال یہ ہے کہ ع :

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

میں اپنا آپ، اپنے بچوں کو سونپ رہا ہوں اور سڑکیں سڑکوں کو جنم دے رہی ہیں۔

آج آدمی سڑک پر پیدا ہوتا ہے، سڑک پر مرتا ہے اور اپنے ساتھ ایک پختہ سڑک لیے قبر میں اُتر جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مرنے والا راہیِ ملکِ بقا ہوا! سڑک زندگی ہے، سڑک موت ہے، سڑک آخرت ہے۔

آج آدمی اور سڑک کے درمیان حائل پردے ہٹ چکے ہیں مگر سڑک یہ نہ سمجھے کہ آدمی راستے پر آ گیا ہے۔ اپنی انفرادیت کے حصول کے لیے برابر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اسی لیے صراطِ مستقیم پر بھی ٹیڑھا ٹیڑھا چلتا ہے۔

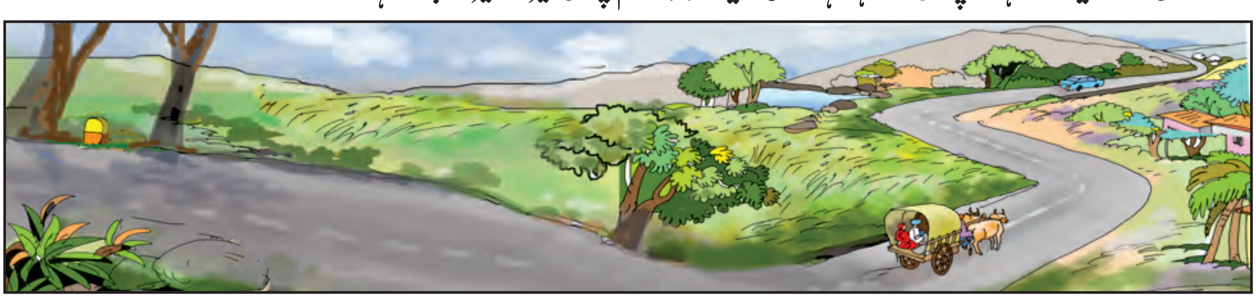

معانی و اشارات

شاہراہ	-	بڑا اور کشادہ راستہ، بڑی سڑک، ہائے وے
تخیل	-	خیال کرنا، خیال میں لانا
نقشِ کفِ پا	-	پاؤں کے تلوے کا نشان
المناک	-	دُکھ دینے والا
بطون	-	بطن کی جمع، پیٹ، شکم، مراد اندرون
متصف	-	صفت رکھنے والا، خصوصیت والا
پسماندہ	-	پچھڑا ہوا، غیر ترقی یافتہ
حدِ فاصل	-	وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان آ کر انھیں جدا کر دے، مراد مناسب فاصلہ
منکشف	-	کھلا ہوا، ظاہر، واضح
راہیِ ملکِ بقا ہونا	}	انتقال کر جانا
راستے پر آ جانا	-	صحیح مقصد کی طرف آ جانا، بے گھر ہو جانا

مشقی سرگرمیاں

◄ 'جان پہچان' کی مدد سے ذیل کا شِبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

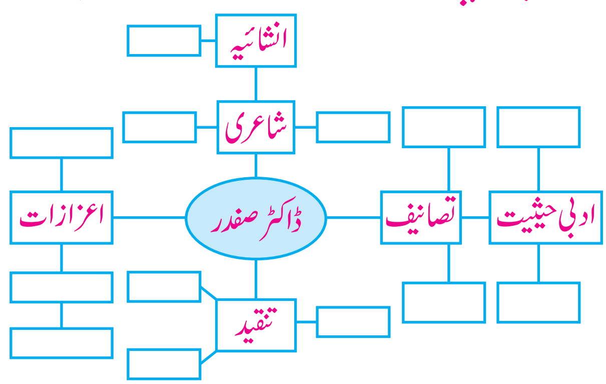

◄ سبق کا بغور مطالعہ کر کے رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

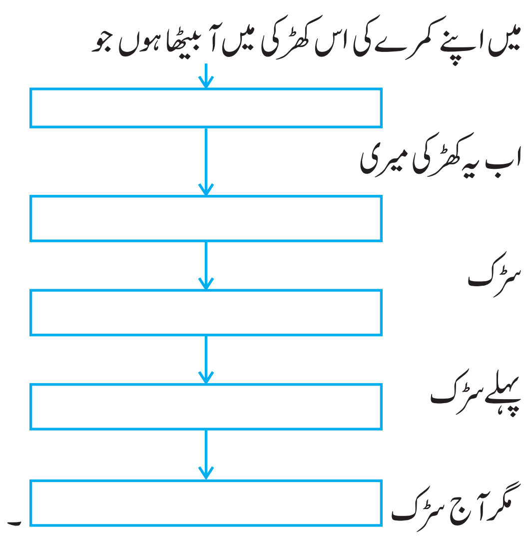

◄ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

ا۔ مصنف کے فکر و تخیل پر کون سی چیز رواں دواں ہے؟

۲۔ مصنف کے خیال میں سڑک کی ابتدا کیسے ہوئی؟

۳۔ مصنف نے زندگی کا نام کیا بتایا ہے؟

۴۔ مصنف نے سڑک کے نسبتی ناموں کو تیاگ دینے کی کیا وجہ بتائی ہے؟

۵۔ مکان کے لبِ سڑک ہونے کا فائدہ کیا ہے؟

۶۔ 'آدمی سڑک بن کر رہ گیا ہے' سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

۷۔ مصنف نے سڑک کو کیا کہا ہے؟

◄ مختصر جواب لکھیے۔

ا۔ پسماندہ علاقوں کی سڑکوں اور ترقی یافتہ علاقوں کی سڑکوں کے ناموں میں کیا فرق ہے؟

۲۔ سڑک کے حوالے سے پچھلے زمانے کے اور آج کے آدمی میں کیا فرق ہے؟

◄ مفصل جواب لکھیے۔

ا۔ سڑک اور انسانی زندگی میں مشابہت کو انشائیے کی روشنی میں لکھیے۔

۲۔ مصنف کے سڑکوں پر پریشان پھرنے کے احساسات کو بیان کیجیے۔

◄ سبق کے حوالے سے درج ذیل جملوں کی وضاحت چار سے چھ جملوں میں کیجیے۔

ا۔ آج سڑک کے طول و عرض میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔

۲۔ سڑک کے بطون میں جب احساسِ خودی جاگا تو اس نے اپنے نسبتی نام تیاگ دیے۔
۳۔ بھیڑ اور بھیڑ کا آدمی دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
۴۔ آج آدمی سڑک پر پیدا ہوتا ہے، سڑک پر مرتا ہے اور اپنے ساتھ ایک پختہ سڑک لیے قبر میں اُتر جاتا ہے۔

◄ درج ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۔ رواں دواں ہونا	۲۔ جان گنوانا
۳۔ آسمان سے باتیں کرنا	۴۔ تارتار ہونا

◄ اپنے گھر سے اسکول تک آنے والی سڑک پر واقع چند اہم مقامات، دفاتر یا دکانوں کے نام خوش خط لکھیے۔

◄ خط کشیدہ الفاظ کی جگہ ایسا متبادل لفظ لکھیے جس سے جملے کا مفہوم تبدیل نہ ہو۔

۱۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سڑک بیک وقت آرہی ہے، جارہی ہے اور موجود بھی ہے۔
۲۔ ان کے نقشِ قدم سے بنی ایک سطر پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔
۳۔ اس کے طول کا ناپنا تو خیر ایک ناممکن سی بات ہے۔
۴۔ جب احساسِ خودی جاگا تو اس نے اپنے نسبتی نام تیاگ دیے۔
۵۔ آدمی صراطِ مستقیم پر بھی ٹیڑھا ٹیڑھا چلتا ہے۔

لفظوں کا کھیل

◄ 'لبِ سڑک' یعنی سڑک کے کنارے۔ یہ ایک لفظی ترکیب ہے۔ 'لب' کے استعمال سے ایسی ہی چار دوسری ترکیبیں بنائیے۔

◄ سبق سے اضافی ترکیب کی چار مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

تلاش و جستجو

۱۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ سے متعلق معلومات حاصل کیجیے۔
۲۔ 'خودی' سے متعلق علامہ اقبالؔ کے پانچ شعر تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔
۳۔ اپنی ریاست یا شہر کی چند اہم سڑکوں کے نام لکھیے۔

سرگرمی

سڑک پر حادثوں سے محفوظ رہنے کے لیے احتیاطی تدابیر اور ٹریفک قوانین سے متعلق پروجیکٹ تیار کیجیے۔

آیئے زبان سیکھیں

یائے اضافت

آپ ساتویں جماعت میں زیرِ اضافت اور ہمزۂ اضافت کے تعلق سے معلومات حاصل کر چکے ہیں۔

اب یہ مثالیں دیکھیے۔ درجۂ اوّل، پردۂ ساز، ستارۂ سحر

ان مثالوں میں 'درجہ/ پردہ/ ستارہ' کا آخری حرف 'ہ' پوری طرح ادا نہیں کیا جاتا ہے (اس 'ہ' کو **'ہائے مختفی'** کہتے ہیں۔ یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں) ایسی 'ہ' کی ترکیبوں میں زیرِ اضافت کی جگہ ہمزہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اب ذیل کی مثالوں پر غور کیجیے۔

وادیِ کشمیر، مرضیِ مولیٰ، داعیِ اجل۔

ان مثالوں میں مضاف کے الفاظ (وادی/ مرضی/ داعی) چونکہ حرف 'ی' پر ختم ہوتے ہیں اس لیے ان سے بننے والی اضافی ترکیبوں میں 'ی' کے نیچے زیر لگایا جاتا ہے۔ اسے **'یائے اضافت'** کہتے ہیں۔

ان مثالوں پر توجہ دیجیے۔

بوئے گل، سوئے حرم، گلہائے عقیدت، کارہائے نمایاں۔

اگر مضاف کا آخری حرف 'و' یا 'ا' ہو جیسے 'بو/ سو/ کارہا/ گلہا' تو زیر کی جگہ 'ئے' لگاتے ہیں۔

ذیل کی اضافی ترکیبوں پر غور کیجیے۔

چراغِ محفل، ستم ہائے زمانہ، لولوئے لالہ، نالۂ دل، کوہِ گراں، خوبیِ قسمت۔

NHF JX2

عبارت آموزی

شیر شاہ سوری کی جرنیلی سڑک

سولھویں صدی میں شیر شاہ سوری نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو اس کی ترجیحات میں ۲۵۰۰ رکلومیٹر طویل سڑک کی تعمیر تھی۔ یہ سڑک کلکتہ (کولکاتا) کو کابل سے ملاتی ہے۔ اس کا مقصد سرکاری پیغام رسانی اور تجارت کو مؤثر اور تیز بنانا تھا۔

اس سڑک کے بارے میں روایت ہے کہ پہلے اس کا نام 'جرنیلی سڑک' تھا جو بعد میں انگریزوں کے دورِ حکومت میں بدل کر 'جی ٹی روڈ' (گرینڈ ٹرنک روڈ) ہوگیا۔ اس سڑک کا گزر کابل سے ہوتا ہوا پہلے لاہور پھر دہلی سے ہوکر بالآخر کولکاتا جا کر ختم ہوتا ہے۔

شیر شاہ سوری نے مسافروں کی آسانی کی خاطر جرنیلی سڑک پر کم و بیش ہر دو کلومیٹر کے بعد کوس مینار بنوائے جو سفر کے دوران مسافروں کی رہنمائی کرتے۔ یہ کوس مینار آج بھی دہلی، کابل اور لاہور کی اس جرنیلی سڑک کے قرب و جوار میں موجود ہیں۔ شیر شاہ سوری کی موت کے بعد مغل حکمرانوں نے بھی اس سڑک کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا۔ ہندوستان پر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے مکمل قبضے کے بعد اس جرنیلی سڑک کے ساتھ ساتھ ریل کا وسیع تر جال بچھایا گیا۔

اب یہ جرنیلی سڑک تین ملکوں میں تقسیم ہوچکی ہے؛ افغانستان، پاکستان اور بھارت۔ تینوں ملکوں کے حصے میں آنے والی یہ جرنیلی سڑک موجود تو ہے مگر اس کی شکل بدل گئی ہے اور اس سڑک کے ساتھ ساتھ شاہراہوں کا جدید نظام متعارف ہونے کے بعد یہاں پر آمد و رفت بھی کچھ کم ہوگئی ہے۔

سوالات :

۱۔ جرنیلی سڑک کس بادشاہ نے تعمیر کروائی؟

۲۔ جرنیلی سڑک کی تعمیر کا مقصد کیا تھا؟

۳۔ جرنیلی سڑک کن دو مقامات کو آپس میں جوڑتی ہے؟

۴۔ شیر شاہ سوری نے 'کوس مینار' کیوں بنوائے؟

۵۔ انگریزوں کے دَورِ حکومت میں جرنیلی سڑک کے نام میں کیا تبدیلی ہوئی؟

۶۔ ملک کی تقسیم کے بعد جرنیلی سڑک کتنے ملکوں میں تقسیم ہوگئی؟ ان ملکوں کے نام لکھیے۔

۶۔ آم

سعادت حسن منٹو

پہلی بات : مہمان اکثر تحفے لاتے ہیں۔ شادی بیاہ، سالگرہ وغیرہ کی تقریبات میں شریک ہونے والے بھی اپنے ساتھ تحفے لے کر جاتے ہیں۔ کسی کے امتحان میں کامیاب ہونے، ملازمت میں ترقی حاصل کرنے یا نئے گھر میں داخل ہونے پر بھی تحفے پیش کرنے کا رواج ہے۔ تحفے تحائف کے لین دین سے آپسی تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ ذیل کے افسانے میں اسی رواج کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان : سعادت حسن منٹو ۱۱؍مئی ۱۹۱۲ء کو موضع سمرالہ، ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ ۱۹۳۱ء میں انھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اُن کے معاشی حالات انتہائی خراب تھے اس وجہ سے وہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ وہ اُردو کے ممتاز افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے انسانی نفسیات کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ 'سیاہ حاشیے، اوپر نیچے اور درمیان، خالی بوتلیں خالی ڈبّے، گنجے فرشتے' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے بہت سے ریڈیو ڈرامے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۸؍جنوری ۱۹۵۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔

خزانے کے تمام کلرک جانتے تھے کہ منشی کریم بخش کی رسائی بڑے صاحب تک بھی ہے۔ چنانچہ وہ سب اس کی عزّت کرتے تھے۔ ہر مہینے پنشن کے کاغذ بھرنے اور روپیا لینے کے لیے جب وہ خزانے میں آتا تو اس کا کام اسی وجہ سے جلد جلد کر دیا جاتا تھا۔ پچاس روپے اس کو اپنی تیس سالہ خدمات کے عوض ہر مہینے سرکار کی طرف سے ملتے تھے۔ ہر مہینے دس دس کے پانچ نوٹ وہ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پکڑتا اور اپنے پرانی وضع کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیتا۔ چشمے میں سے خزانچی کی طرف تشکّر بھری نظروں سے دیکھتا اور یہ کہہ کر، "اگر زندگی ہوئی تو اگلے مہینے پھر سلام کرنے کے لیے حاضر ہوں گا" بڑے صاحب کے کمرے کی طرف چلا جاتا۔

آٹھ برس سے اس کا یہی دستور تھا۔ خزانے کے قریب قریب ہر کلرک کو معلوم تھا کہ منشی کریم بخش جو مطالبات خفیہ کچہری میں کبھی محافظِ دفتر ہوا کرتا تھا، بے حد وضع دار، شریف الطّبع اور حلیم آدمی ہے۔ منشی کریم بخش واقعی ان صفات کا مالک تھا۔ کچہری میں اپنی طویل ملازمت کے دوران افسرانِ بالا نے ہمیشہ اس کی تعریف کی ہے۔ بعض مُنصِفوں کو منشی کریم بخش سے محبت ہوگئی تھی۔ اس کے خلوص کا ہر شخص قائل تھا۔

اس وقت منشی کریم بخش کی عمر پینسٹھ سے کچھ اوپر تھی۔ بڑھاپے میں آدمی عموماً کم گو اور حلیم ہو جاتا ہے مگر وہ جوانی میں بھی ایسی ہی طبیعت کا مالک تھا۔ دوسروں کی خدمت کرنے کا شوق اس عمر میں بھی ویسے کا ویسا ہی قائم تھا۔

خزانے کا بڑا افسر منشی کریم بخش کے ایک مربی اور مہربان جج کا لڑکا تھا۔ جج صاحب کی وفات پر اسے بہت صدمہ ہوا تھا۔ اب وہ ہر مہینے ان کے لڑکے کو سلام کرنے کی غرض سے ضرور ملتا تھا۔ اس سے اسے بہت تسکین ہوتی تھی۔ منشی کریم بخش انھیں چھوٹے جج صاحب کہا کرتا تھا۔

پنشن کے پچاس روپے جیب میں ڈال کر وہ برآمدہ طے کرتا اور چِق لگے کمرے کے پاس جا کر اپنی آمد کی اطلاع کراتا۔ چھوٹے جج صاحب اس کو زیادہ دیر تک باہر کھڑا نہ رکھتے، فوراً ہی اندر بلا لیتے اور سب کام چھوڑ کر اس سے باتیں شروع کر دیتے۔

رسمی گفتگو کے بعد منشی کریم بخش جج صاحب کی مہربانیوں کا ذکر چھیڑ دیتا۔ ان کے بلند کردار کی وضاحت بڑے فدویانہ انداز میں کرتا اور بار بار کہتا، "اللہ بخشے مرحوم فرشتہ خصلت انسان تھے۔ خدا ان کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے۔"

منشی کریم بخش کے لہجے میں خوشامد وغیرہ کی ذرّہ بھر ملاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ وہ جو کچھ کہتا تھا، محسوس کر کے کہتا تھا۔ اس کے متعلّق جج صاحب کے لڑکے کو جو اَب خزانے کے بڑے افسر تھے، اچھی طرح معلوم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو عزّت کے ساتھ اپنے پاس بٹھاتے تھے اور دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

ہر مہینے دوسری باتوں کے علاوہ منشی کریم بخش کے آم کے باغوں کا ذکر بھی آتا تھا۔ موسم آنے پر جج صاحب کے لڑکے کی کوٹھی پر آموں کا ایک ٹوکرا پہنچ جاتا تھا۔ منشی کریم بخش کو خوش کرنے کے لیے وہ ہر مہینے اس کو یاد دہانی کرا دیتے تھے۔ "منشی صاحب، دیکھیے اس موسم پر آموں کا ٹوکرا بھیجنا نہ بھولیے گا۔ پچھلی بار آپ نے جو آم بھیجے تھے، ان میں سے تو صرف دو میرے حصّے میں آئے تھے۔" کبھی یہ تین ہو جاتے تھے، کبھی چار اور کبھی صرف ایک ہی رہ جاتا تھا۔

منشی کریم بخش یہ سن کر بہت خوش ہو جاتا تھا۔ "حضور، ایسا کبھی ہو سکتا ہے؟ جوں ہی فصل تیار ہوئی میں فوراً ہی آپ کی خدمت میں ٹوکرا لے کر حاضر ہو جاؤں گا... دو کیسے، دو حاضر کر دوں گا۔ یہ باغ کس کے ہیں؟ ...آپ ہی کے تو ہیں۔"

کبھی کبھی چھوٹے جج صاحب پوچھ لیا کرتے تھے، "منشی جی، آپ کے باغ کہاں ہیں؟"

"دینا نگر میں حضور... زیادہ نہیں ہیں، صرف دو ہیں۔ ان میں سے ایک تو میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو دے رکھا ہے جو ان دونوں کا انتظام وغیرہ کرتا ہے۔"

مئی کی پنشن لینے کے لیے منشی کریم بخش جون کی دوسری تاریخ کو خزانے گیا۔ دس دس کے پانچ نوٹ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر اس نے چھوٹے جج صاحب کے کمرے کا رُخ کیا۔ حسبِ معمول ان دونوں میں وہی رسمی باتیں ہوئیں۔ آخر میں آموں کا ذکر بھی آیا جس پر منشی کریم بخش نے کہا، "دینا نگر سے چٹھی آئی ہے کہ ابھی آموں کے منہ پر چیپ نہیں آیا۔ جوں ہی چیپ آ گیا اور فصل پک کر تیار ہو گئی، میں فوراً پہلا ٹوکرا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ... چھوٹے جج صاحب! اس دفعہ ایسے تحفہ

آم ہوں گے کہ آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ملائی اور شہد کے گھونٹ نہ ہوئے تو میرا ذمہ... میں نے لکھ دیا ہے کہ چھوٹے جج صاحب کے لیے ایک ٹوکرا خاص طور پر بھروا دیا جائے اور سواری گاڑی سے بھیجا جائے تاکہ جلدی اور احتیاط سے پہنچے۔ دس پندرہ روز آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔"

چھوٹے جج صاحب نے شکریہ ادا کیا۔ منشی کریم بخش نے اپنی چھتری اُٹھائی اور خوش خوش گھر واپس آ گیا۔

گھر میں اس کی بیوی اور بڑی لڑکی تھی۔ بیاہ کے دوسرے سال لڑکی کا خاوند مر گیا تھا۔ منشی کریم بخش کی اور کوئی اولاد نہیں تھی مگر اس مختصر سے کنبے کے باوجود پچاس روپوں میں اس کا گزر بہت ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ اسی تنگی کے باعث اس کی بیوی کے تمام زیور اِن آٹھ برسوں میں آہستہ آہستہ بک گئے تھے۔

منشی کریم بخش فضول خرچ نہیں تھا۔ اس کی بیوی اور وہ بڑے کفایت شعار تھے مگر اس کفایت شعاری کے باوجود تنخواہ میں سے ایک پیسا بھی ان کے پاس نہ بچتا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ منشی کریم بخش چند آدمیوں کی خدمت کرنے میں بے حد مسرّت محسوس کرتا تھا۔ ان چند خاص الخاص آدمیوں کی خدمت گزاری میں جن سے اسے دلی عقیدت تھی، ایک تو جج صاحب کے لڑکے تھے، دوسرے ایک اور ڈپٹی صاحب تھے جو ریٹائر ہو کر اپنی زندگی کا بقایا حصّہ ایک بہت بڑی کوٹھی میں گزار رہے تھے۔ ان سے منشی کریم بخش کی ملاقات ہر روز صبح سویرے کمپنی باغ میں ہوتی تھی۔ اس افسر کو بھی منشی کریم بخش ہر سال موسم پر ایک ٹوکرا بھیجتا تھا۔

آم دینے کے بعد جب وہ کوٹھی سے نکلتا تو اس کے چہرے پر تمتماہٹ ہوتی تھی، ایک عجیب قسم کی روحانی تسکین اسے محسوس ہوتی تھی جو کئی دنوں تک اس کو مسرور رکھتی تھی۔ وہ کمزور ضرور تھا۔ پینسٹھ برس کی عمر میں کون کمزور نہیں ہو جاتا مگر اس کمزوری کے باوجود اس میں کئی کئی میل پیدل چلنے کی ہمت تھی۔ خاص طور پر جب آموں کا موسم آتا تو وہ ڈپٹی صاحب اور چھوٹے جج صاحب کو آموں کے ٹوکرے بھیجنے کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کرتا تھا کہ بیس پچیس برس کے جوان آدمی بھی کیا کریں گے۔ بڑے اہتمام سے ٹوکرے کھولے جاتے تھے۔ ان کا گھاس پھوس الگ کیا جاتا تھا۔ داغی یا گلے سڑے دانے الگ کیے جاتے تھے اور صاف سُتھرے آم نئے ٹوکروں میں گِن کر ڈالے جاتے تھے۔ منشی کریم بخش ایک بار پھر اپنا اطمینان کرنے کی خاطر ان کو گِن لیتا تھا تاکہ بعد میں شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔

آم نکالتے اور ٹوکروں میں ڈالتے وقت منشی کریم بخش کی بیٹی اور اس کی بیوی کے منہ میں پانی بھر آتا مگر وہ دونوں خاموش رہتیں۔ بڑے بڑے رس بھرے خوبصورت آموں کا ڈھیر دیکھ کر جب ان میں سے کوئی یہ کہے بغیر نہ رہ سکتی، "کیا ہرج ہے اگر اس ٹوکرے میں سے دو آم نکال لیے جائیں۔" تو منشی کریم بخش سے یہ جواب ملتا، "اور آ جائیں گے، اتنا بے تاب ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

یہ سن کر وہ دونوں چپ ہو جاتیں اور اپنا کام کرتی رہتیں۔

جب منشی کریم بخش کے گھر میں آموں کے ٹوکرے آتے تھے تو گلی کے سارے آدمیوں کو اس کی خبر لگ جاتی تھی۔ عبداللہ نیچہ بند کا لڑکا جو کبوتر پالنے کا شوقین تھا، دوسرے روز ہی آ دھمکتا تھا اور منشی کریم بخش کی بیوی سے کہتا تھا، "خالہ، میں گھاس لینے کے لیے آیا ہوں۔ کل خالو آموں کے دو ٹوکرے لائے تھے۔ ان میں سے جتنی گھاس نکلی ہو، مجھے دے دیجیے۔"

ہمسائی نوراں جس نے کئی مرغیاں پال رکھی تھیں، اسی روز شام کو ملنے آ جاتی تھی اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کہا کرتی تھی، ”پچھلے برس جو تم نے مجھے ایک ٹوکرا دیا تھا، بالکل ٹوٹ گیا ہے۔ اب کے بھی ایک ٹوکرا دے دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔“

حسبِ معمول اس دفعہ بھی آموں کے دونوں ٹوکرے اور ان کی گھاس یوں چلی گئی۔ گلے سڑے دانے الگ کیے گئے۔ جو اچھے تھے ان کو منشی کریم بخش نے اپنی نگرانی میں گنوا کر نئے ٹوکروں میں رکھوایا۔ بارہ بجے سے پہلے یہ کام ختم ہوگیا۔ چنانچہ دونوں ٹوکرے غسل خانے میں ٹھنڈی جگہ رکھ دیے گئے تاکہ آم خراب نہ ہوجائیں۔

ادھر سے مطمئن ہو کر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد منشی کریم بخش کمرے میں چارپائی پر لیٹ گیا۔

جون کے آخری دن تھے۔ اس قدر گرمی تھی کہ دیواریں توے کی طرح تپ رہی تھیں۔ وہ گرمیوں میں عام طور پر غسل خانے کے اندر ٹھنڈے فرش پر چٹائی بچھا کر لیٹا کرتا تھا۔ یہاں موری کے رستے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی آ جاتی تھی لیکن اب کے اس میں دو بڑے بڑے ٹوکرے پڑے تھے۔ اس کو گرم کمرے میں جو بالکل تنور بنا ہوا تھا، چھے بجے تک وقت گزارنا تھا۔

ہر سال گرمیوں کے موسم میں جب آموں کے یہ ٹوکرے آتے، اسے ایک دن آگ کے بستر پر گزارنا پڑتا تھا مگر وہ اس تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرلیتا تھا۔ قریباً پانچ گھنٹے تک چھوٹا سا پنکھا بار بار پانی میں تر کر کے جھلتا رہتا۔ انتہائی کوشش کرتا کہ نیند آ جائے مگر ایک پل کے لیے بھی اسے آرام نصیب نہ ہوتا۔ جون کی گرمی اور ضدی قسم کی مکھیاں کسے سونے دیتی ہیں۔

آموں کے ٹوکرے غسل خانے میں رکھوا کر جب وہ گرم کمرے میں لیٹا تو پنکھا جھلتے جھلتے ایک دم اس کا سر چکرایا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا سانس اُکھڑ رہا ہے اور وہ سارے کا سارا گہرائیوں میں اُتر رہا ہے۔ اس قسم کے دورے اسے کئی بار پڑ چکے تھے اس لیے کہ اس کا دل کمزور تھا مگر ایسا زبردست دورہ پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ سانس لینے میں اس کو بڑی دِقت محسوس ہونے لگی۔ گھبرا کر اس نے آواز دے کر اپنی بیوی کو بلایا۔ آواز سن کر اس کی بیوی اور لڑکی دونوں دوڑی دوڑی اندر آئیں۔ دونوں جانتی تھیں کہ اسے اس قسم کے دورے کیوں پڑتے ہیں۔ فوراً ہی اس کی بیٹی نے عبداللہ نیچہ بند کے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا کہ ڈاکٹر کو بلا لائے تاکہ وہ طاقت کی سوئی لگا دے لیکن چند منٹوں ہی میں منشی کریم بخش کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ بے قراری اس قدر بڑھ گئی کہ وہ چارپائی پر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کی بیوی اور بیٹی نے یہ دیکھ کر شور برپا کردیا جس کے باعث آس پاس کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔

بہت کوشش کی گئی کہ اس کی حالت ٹھیک ہوجائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ڈاکٹر بلانے کے لیے تین چار آدمی دوڑائے گئے تھے لیکن اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی واپس آئے منشی کریم بخش زندگی کی آخری سانسیں لینے لگا۔ بڑی مشکل سے کروٹ بدل کر اس نے عبداللہ نیچہ بند کو جو اس کے پاس ہی بیٹھا تھا، اپنی طرف متوجّہ کیا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا، ”تم سب لوگ باہر چلے جاؤ۔ میں اپنی بیوی سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

سب لوگ باہر چلے گئے۔ اس کی بیوی اور لڑکی دونوں اندر داخل ہوئیں۔ رو رو کر ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ منشی کریم بخش نے اشارے سے اپنی بیوی کو پاس بلایا اور کہا، ”دونوں ٹوکرے آج شام ہی ڈپٹی صاحب اور چھوٹے جج صاحب کی کوٹھی پر ضرور پہنچ جانے چاہئیں۔ پڑے پڑے خراب ہو جائیں گے۔“

اِدھر اُدھر دیکھ کر پھر اس نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا، ”دیکھو، تمھیں میری قسم ہے۔ میری موت کے بعد بھی کسی کو آموں کا راز معلوم نہ ہو۔ کسی سے نہ کہنا کہ یہ آم ہم بازار سے خرید کر لوگوں کو بھیجتے تھے۔ کوئی پوچھے تو یہی کہنا کہ دینا نگر میں ہمارے باغ ہیں ... بس ... اور دیکھو ... جب میں مر جاؤں تو چھوٹے جج صاحب کو ضرور اطلاع دینا۔“

چند لمحات کے بعد منشی کریم بخش مر گیا۔ اس کی موت سے چھوٹے جج صاحب کو لوگوں نے مطّلع کر دیا مگر وہ چند ناگزیر مجبوریوں کے باعث جنازے میں شامل نہ ہو سکے۔

معانی و اشارات

خزانہ	وہ سرکاری دفتر جہاں حکومت کا روپیا پیسا رکھا جاتا ہے۔
محافظ دفتر	دفتر کا نگراں
وضع دار	اپنے طور طریقوں پر قائم رہنے والا، پابندِ وضع، اچھی وضع کا
شریف الطبع	شریف طبیعت والا
حلیم	بردبار، نرم دل
افسرانِ بالا	اعلیٰ افسر
مربی	پرورش / تربیت کرنے والا، سرپرست
تسکین	سکون، اطمینان
چِق	بانس کی تیلیوں کا پردہ
فدویانہ	انکسار کرنے والوں کی طرح
تحفہ	مراد بہترین
باعث	وجہ
کفایت شعار	بچت کرنے والا، کم خرچ کرنے والا
مسرور	خوش
نیچہ بند	حقہ بنانے یا تیار کرنے والا
ناگزیر	بے حد ضروری
خندہ پیشانی سے	خوشی سے

مشقی سرگرمیاں

سبق کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

➢ ’جان پہچان‘ کی مدد سے ذیل کے شبکی خاکے مکمل کیجیے۔

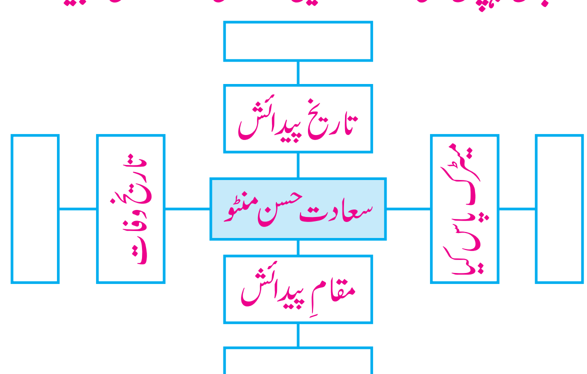

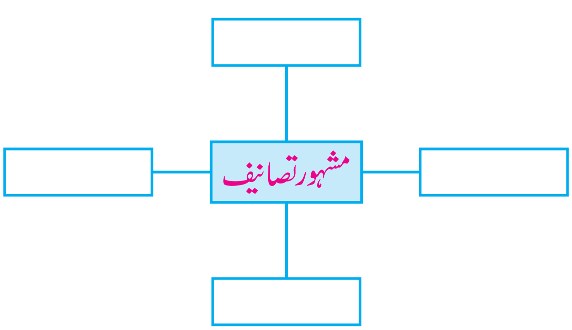

سبق کا مطالعہ کر کے منشی کریم بخش سے متعلق شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

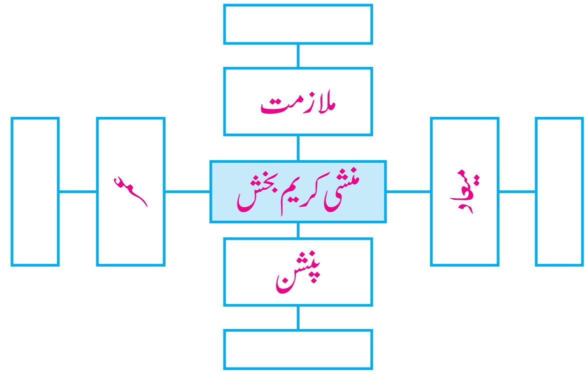

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ منشی کریم بخش کو ماہانہ کتنی پنشن ملتی تھی؟
۲۔ خزانے کے تمام کلرک منشی کریم بخش کی عزت کیوں کرتے تھے؟
۳۔ منشی کریم بخش جج صاحب کی مہربانیوں کا تذکرہ کس طرح کرتا تھا؟
۴۔ خزانے کا بڑا افسر منشی کریم بخش کو کس طرح خوش کرتا تھا؟
۵۔ منشی کریم بخش کے خاندان کی گزر بسر مشکل سے کیوں ہوتی تھی؟
۶۔ منشی کریم بخش کو کن دو لوگوں سے دلی عقیدت تھی؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ منشی کریم بخش چھوٹے جج صاحب سے آموں کی تعریف کن لفظوں میں کرتا تھا؟
۲۔ منشی کریم بخش کی بیوی کے زیورات کیوں بک گئے؟
۳۔ منشی کریم بخش کی تنخواہ سے پیسا کیوں نہیں بچتا تھا؟
۴۔ منشی کریم بخش آم کا ٹوکرا بھجواتے وقت کیا خاص اہتمام کرتا تھا؟
۵۔ گھر پر آم کے ٹوکرے آنے پر منشی کریم بخش کو کون سی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں؟
۶۔ چھوٹے جج صاحب منشی کریم بخش سے عزّت و احترام کے ساتھ کیوں پیش آتے تھے؟

انتقال سے پہلے منشی کریم بخش نے بیوی سے جو نصیحت کی تھی اسے اپنے لفظوں میں لکھیے۔

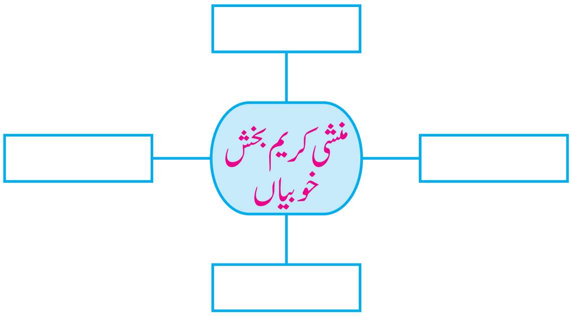

درج ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۔ دوڑ دھوپ کرنا ۲۔ منہ میں پانی آنا
۳۔ سانس اُکھڑنا

منشی کریم بخش کے گھریلو حالات لکھیے۔

زورِ قلم

درج ذیل کرداروں پر روشنی ڈالیے۔

۱۔ منشی کریم بخش ۲۔ چھوٹے جج صاحب

سبق سے ملنے والے پیغام کو بیان کیجیے۔

تلاش و جستجو

اسکول کی لائبریری سے قاضی عبد الستار کا افسانہ 'پیتل کا گھنٹا' حاصل کر کے پڑھیے۔

لفظوں کا کھیل

ذیل میں دیے ہوئے الفاظ کے معنی والا دو حرفی لفظ 'خرگوش' میں تلاش کیجیے۔

۱۔ گدھا
۲۔ طرف
۳۔ شرارت
۴۔ چہرہ
۵۔ اگر کا مخفف

۷۔ رانی کیتکی کی کہانی

انشاء اللہ خان انشؔا

پہلی بات : پرانے زمانے میں آج کل کی طرح تفریح کے ذرائع نہیں تھے؛ فلمیں، ٹی وی اور نہ کارٹون۔ بچے اپنے گھر میں شام ہوتے ہی بزرگوں کے آس پاس جمع ہوجاتے اور ان سے کہانیاں سننے کی ضد کرتے۔ بڑے بزرگ جو کہانیاں سناتے وہ بہت دلچسپ اور سبق آموز ہوتیں۔ ان کے سنانے کا انداز بھی ایسا ہوتا کہ بچے کہانی کے ہر موڑ کو اپنے تصور میں واقع ہوتا محسوس کرتے۔ زیرِ نظر کہانی بھی ایسی ہی ہے جس میں واقعات کا بیان اور زبان کے خوبصورت استعمال کی وجہ سے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔

جان پہچان : انشاء اللہ خان انشؔا یکم دسمبر ۱۷۵۲ء کو مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماشاء اللہ خان کے ساتھ ۱۷۷۹ء میں وہ لکھنؤ پہنچے۔ بعد میں دلّی میں شاہ عالم کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ وہ بہت ذہین اور حساس تھے۔ انھیں کئی زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ ان کا شمار اپنے عہد کے اہم ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ انشؔا نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن غزل کی صنف پر خصوصی توجہ دی۔ 'رانی کیتکی کی کہانی' اور 'سلکِ گہر' ان کی مختصر داستانیں ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی میں انھوں نے کوشش کی کہ اس میں فارسی اور عربی کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ ۱۹ر مئی ۱۸۱۷ء کو لکھنؤ میں انشؔا کا انتقال ہوگیا۔

داستان : افسانوی ادب میں داستان سب سے قدیم صنف ہے۔ بنیادی طور پر داستان بیانیے کا فن ہے جس کا زیادہ تعلق سننے سنانے سے رہا ہے۔

داستان کہانی بیان کرنے کا ایک اسلوب ہے جس میں چند مرکزی کرداروں کو پیش آنے والے واقعے کے گرد بے شمار طویل و مختصر واقعات مختلف کرداروں کے ذریعے بیان کیے جاتے ہیں۔

داستان کسی ایک واقعے پر مبنی نہیں ہوتی۔ داستان کے تمام واقعات عام طور سے کسی مرکزی کردار کی زبانی بیان کیے جاتے ہیں اور ہر واقعے کے اہم کردار دوسرے واقعے کے اہم کرداروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ داستان گو داستان میں شامل قصے کو اس طرح ختم کرتا ہے کہ داستان سننے والے اگلے واقعے کو سننے کے لیے بے چین ہوجاتے ہیں۔ اس طرح ایک قصے سے دوسرا قصہ نکلتا چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے داستان طویل ہوتی چلی جاتی ہے۔

داستان کا مرکزی کردار کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے لیے کئی طرح کے خطرناک مرحلوں سے گزرتا ہے۔ جب وہ مہم سر ہوجاتی ہے تو ایک خاص منزل پر داستان اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔ عام طور پر اس کا انجام خوش گوار ہوتا ہے۔

داستان نظم و نثر دونوں میں پائی جاتی ہے۔ نظم میں اسے مثنوی سمجھنا چاہیے۔ 'داستانِ امیر حمزہ، بوستانِ خیال، آرائشِ محفل، باغ و بہار، فسانۂ عجائب، طلسمِ حیرت، الف لیلہ، رانی کیتکی کی کہانی' وغیرہ نثری داستانیں ہیں۔ 'سحر البیان' اور 'گلزارِ نسیم' کو منظوم داستان کہہ سکتے ہیں۔ یہ منظوم داستانیں مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔

کسی دیس میں کسی راجا کے گھر ایک بیٹا تھا۔ اسے اس کے ماں باپ اور سب گھر کے لوگ کنور اودے بھان پکارتے تھے۔ اس کا اچھا پن اور بھلا لگنا کچھ ایسا نہ تھا جو کسی کے لکھنے اور کہنے میں آسکے۔ پندرہ برس بھر کے اُونے سولھویں میں پانو رکھا تھا۔ کچھ یوں ہی سی اس کی مَسیں بھیگتی چلی تھیں۔ اکڑ تکڑ اس میں بہت سی سما رہی تھی، کسی کو کچھ سمجھتا نہ تھا۔

ایک دن ہریالی دیکھنے کو اپنے گھوڑے پر چڑھ کر اٹھکھیل پنے اور لڑکپن کے ساتھ دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا۔ اتنے میں جو ایک ہرنی اس کے سامنے آئی تو اس کا جی لوٹ پوٹ ہوا۔ اس نے ہرنی کے پیچھے، سبھی کو چھوڑ چھاڑ کر گھوڑا پھینکا۔ بھلا کوئی گھوڑا اس کو پاسکتا تھا؟ جب سورج چھپ گیا اور ہرنی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تب تو یہ کنور اودے بھان بھوکا پیاسا، جمھاتا، انگڑائیاں لیتا، ہکّا بکّا ہو کے

لگا آسرا ڈھونڈھنے۔ اتنے میں کچھ ایک امریّاں دھیان چڑھیں۔ اُدھر چل نکلا، تو کیا دیکھتا ہے کہ چالیس پچاس عورتیں جھوُلا ڈالے ہوئے جھول رہی ہیں اور ساون گاتیاں ہیں۔ جوں ہی انھوں نے اس کو دیکھا، تو، "توُ کون؟ تو کون؟" کہہ کر چنگھاڑ سی پڑ گئی۔

جھوُلا جھوُلنے والی، لال جوڑا پہنے ہوئے، جس کو سب رانی کیتکی کہتے تھے، نے کہا، "اس لگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ہیں؟ ہک نہ دھک، جوتم جھٹ سے ٹپک پڑے، یہاں سے چلے جاؤ۔"

تب اس نے مسوس کے، ملولا کھا کے کہا، "اتنی رُکھائیاں نہ کیجیے۔ میں سارے دن کا تھکا ہوا، ایک پیڑ کی چھانہہ میں، اس کا بچاؤ کرکے پڑ رہوں گا۔ بڑے تڑکے، دھندلکے میں اٹھ کر، جدھر کو منہ پڑے گا، چلا جاؤں گا۔ کچھ کسی کا لینا دینا نہیں۔ ایک ہرنی کے پیچھے سب لوگوں کو چھوڑ کر، گھوڑا اپھینکا تھا۔ جب تک اجیالا رہا، اسی کے دھیان میں تھا۔ جب اندھیرا چھا گیا اور جی بہت گھبرا گیا، اِن امریّوں کا آسرا ڈھونڈھ کر یہاں چلا آیا ہوں۔ کچھ روک ٹوک تو اتنی نہ تھی، جو ماتھا ٹھنک جاتا اور رُک رہتا۔ سر اُٹھائے ہانپتا ہوا چلا آیا۔"

یہ بات سن کر وہ لال جوڑے والی نے کہا، "ہاں جی! بولیاں ٹھولیاں نہ مارو۔ ان کو کہہ دو، جہاں جی چاہے، اپنے پڑ رہیں۔ اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں، سو انھیں پہنچا دو۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا۔ ان کے گال تمتمائے، ہونٹ پپڑائے اور گھوڑے کا ہانپنا اور جی کا کانپنا اور ٹھنڈھال ہو کے گر پڑنا، ان کو سچّا کرتا ہے۔ بات بنائی ہوئی کوئی چھپتی ہے؟ پر ہمارے اور ان کے بیچ میں کچھ اوٹ سی کپڑے لتّے کی کر دو۔"

اتنا آسرا پا کے، سب سے پرے کونے میں جو پانچ سات چھوٹے چھوٹے پودھے سے تھے، ان کی چھانہہ میں کنور اودے بھان نے اپنا بچھونا کیا اور کچھ سرہانے دھر کے چاہتا تھا سو رہے، پر نیند کہاں آتی تھی؟ پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا۔

معانی واشارات

اونّے	اُس نے	ہک نہ دھک	بِلا جھجک
مسیں بھیگنا	مونچھوں کی روئیں نکلنا	مسوس کے	رنجیدہ ہوکر
اُٹھکھیل پن	مستانہ چال/شوخی کے ساتھ	ملولا کھا کے	غمگین ہوکر
جمہاتا	جماہی لیتا	رُکھائیاں	بے مروّتی، روکھا پن
امریّاں	امرائی کی جمع، آموں کے درختوں کے جھنڈ	چھانہہ	چھاؤں
گاتیاں	گاتی ہوئیں	اُجیالا	اُجالا
لگ	طرح، تک	ہونٹ پپڑانا	ہونٹ سوکھ جانا

➢ 'جان پہچان' کی مدد سے داستان کے مصنف کا تعارفی خاکہ مکمل کیجیے۔

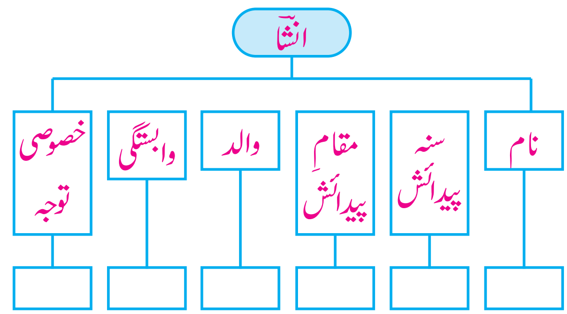

➢ درج ذیل خاکہ مکمل کیجیے۔

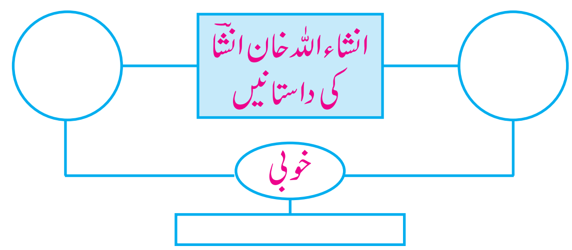

➢ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ کنور اودے بھان کون تھا؟
۲۔ کنور اودے بھان کی عمر کتنی تھی؟
۳۔ کنور اودے بھان آسرا کیوں ڈھونڈ نے لگا؟
۴۔ کنور اودے بھان نے امریّوں کے پاس کیا دیکھا؟
۵۔ رانی کیتکی نے کنور کو دیکھ کر کیا کہا؟
۶۔ کنور اودے بھان نے کہاں آرام کیا؟

➢ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ سولھویں برس میں کنور اودے بھان میں کیا تبدیلیاں آئیں؟
۲۔ کنور اودے بھان نے رانی کیتکی سے کیا درخواست کی؟
۳۔ کنور اودے بھان جنگل میں کیوں بھٹک گیا؟
۴۔ رانی کیتکی نے اودے بھان کی درخواست سن کر کیا کہا؟

➢ مفصل جواب لکھیے۔

۱۔ رانی کیتکی کی کہانی کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۲۔ کنور اودے بھان کا حلیہ اپنے لفظوں میں لکھیے۔

➢ صرف نام لکھیے۔

۱۔ راجا کا بیٹا ← ☐
۲۔ لال جوڑا پہنے جھولا جھولنے والی ← ☐

زورِ قلم

➢ ہدایات کے مطابق مندرجہ ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ امریّوں کے ماحول کو اپنے لفظوں میں قلمبند کیجیے۔
۲۔ سبق کی روشنی میں رانی کیتکی کی پہچان لکھیے۔

تلاش و جستجو

➢ ذیل کے الفاظ کے لیے سبق میں استعمال کیے ہوئے الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

۱۔ مستانہ پن ۲۔ اس نے
۳۔ بِلا جھجک ۴۔ غمگین ہوکر
۵۔ بے مروّتی ۶۔ ہونٹ سوکھ جانا

بول چال

➢ ذیل کے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۔ ٹپک پڑنا ۲۔ جی لوٹ پوٹ ہونا
۳۔ بولیاں ٹھولیاں مارنا ۴۔ اوجھل ہونا

➢ ذیل کے جملوں کو اپنی زبان میں لکھیے۔

۱۔ پندرہ برس بھر کے اُونے سولھویں میں پانو رکھا تھا۔
۲۔ اس نے ہرنی کے پیچھے، سبھی کو چھوڑ چھاڑ کر گھوڑا اپھینکا۔
۳۔ عورتیں جھولا ڈالے ہوئے ساون گاتیاں ہیں۔
۴۔ تب اس نے مسوس کے، ملولا کھا کے کہا، "اتنی رُکھائیاں نہ کیجیے"۔
۵۔ ہاں جی! بولیاں ٹھولیاں نہ مارو۔ ان کو کہہ دو، جہاں جی چاہے، اپنے پڑ رہیں۔

NMYC1C

۸۔ یادیں اور باتیں

دادا بھائی نوروجی

پہلی بات : اساتذہ اپنے شاگردوں میں مختلف خوبیاں پیدا کرنے اور ان کی شخصیت کو سنوارنے کا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں، اسی لیے انھیں 'معمارِ قوم' کہا جاتا ہے۔ لوگ اپنی تعلیم گاہوں کو اس لیے بھی یاد رکھتے ہیں کہ وہیں سے انھیں علم و ہنر اور جینے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ تحریکِ آزادی کی ایک اہم شخصیت دادا بھائی نوروجی نے ذیل کے سبق میں اپنی تعلیمی زندگی کے دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں۔

مصنف اپنے آپ پر بیتے ہوئے واقعات کا بیان کرتا ہے تو اسے 'آپ بیتی' کہتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی ہوسکتی ہے اور افسانہ بھی۔ خودنوشت اور اعترافِ ادب اس کی مترادف اصطلاحیں ہیں۔ یہ کسی فرد کے بارے میں اس کی ذاتی تحریر ہوتی ہے۔ آپ بیتی میں لکھنے والا اپنے ماضی کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ آپ بیتی میں بیان ہونے والے واقعات کے ساتھ مصنف کی کیفیات بھی بیان کی جاتی ہیں اس لیے اسے فنِ لطیف بھی سمجھا جاتا ہے۔ کیفیات کا بیان آپ بیتی کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔

جان پہچان : دادا بھائی نوروجی ۴/ستمبر ۱۸۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ وہ ہمارے اہم سیاسی رہنماؤں میں شامل ہیں۔ ملک کی آزادی کے لیے انھوں نے اِنڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے لوگوں کو متحد کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھے۔ دادا بھائی ۳۰/جون ۱۹۱۱ء کو انتقال کر گئے۔

بچپن کی ایک بات مجھے آج بھی یاد ہے، خدا جانے کس طرح یہ میرے ذہن نشین ہوگیا تھا کہ چاند کو میرے ساتھ ہمدردی ہے۔ جہاں کہیں میں جاتا تھا، مجھے خیال ہوتا تھا کہ وہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ اس خیالی ہمدردی کے گمان سے میرے معصوم دل کو اس وقت بہت تسکین ہوتی تھی اور اب تک تشفّی ہوتی ہے۔ مجھ کو اپنی ماں کی زبانی بچپن کی جو دوسری بات معلوم ہوئی، وہ یہ ہے کہ جب کوئی ہم عمر بچہ مجھے سخت سست کہتا تو میں صرف یہ کہہ دیتا کہ بدزبانی کرنے سے تمھاری ہی زبان خراب ہوگی۔ میری عزّت میں فرق نہیں آسکتا۔

لڑکپن میں مجھے گلّی ڈنڈا کھیلنے کا بڑا شوق تھا اور میں اس میں مشّاق بھی ہوگیا تھا۔ دوپہر کو جب آدھ گھنٹے کے لیے تعلیم سے فراغت ملتی میں اس کھیل میں گرمی اور دھوپ کی تپش کے باوجود مشغول ہوجایا کرتا تھا۔ شہر کے مدرسے میں جب کوئی شخص یا افسر معائنے کے لیے آتا تو مجھے بطورِ خاص پیش کردیا جاتا۔ مجھے پہاڑے وغیرہ خوب یاد تھے اور زبانی حساب کرنے میں بھی بڑا ملکہ تھا۔ یہ لوگ میری باتوں کو شوق سے سنتے اور برابر آفرین کہتے تھے۔

لڑکپن میں مجھے 'شاہنامہ' پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کا بہت شوق تھا۔ اس کتاب کے بار بار پڑھنے اور سنانے سے میرے

خیالات اور عادات واطوار پر بہت اثر پڑا۔

بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں نہایت نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہیں۔ اُنیسویں صدی کے آغاز میں بمبئی میں ایک سوسائٹی ہندوستانیوں میں تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے قائم ہوئی تھی۔ اس سوسائٹی کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک ابتدائی اسکول قائم ہوا جس میں انگریزی اور دیسی زبانوں کی تعلیم علیٰحدہ علیٰحدہ دی جانے لگی۔

اگر والدہ مجھے اس اسکول میں بھیجنے میں تامّل کرتیں تو میں جہالت میں پڑا رہتا۔ اس وقت تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ اگر آج کے زمانے کی طرح اس وقت بھی زیادہ فیس لی جاتی تو شاید میری والدہ مجھے وہاں نہ بھیج سکتیں۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ میں ہمیشہ مفت تعلیم کی تلقین کرتا ہوں۔ یہ اصول ہمیشہ میرے سامنے رہتا ہے کہ ہر انسان کے لیے، چاہے وہ غریب ہو یا امیر، اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونے چاہئیں۔

بُرائی سے بچنے کا خیال مجھے پندرھویں سال سے پیدا ہوگیا۔ میں نے ایک مرتبہ بدزبانی سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی تھی اور یہ واقعہ مجھ کو اب تک اس طرح یاد ہے کہ گویا کل ہی گزرا ہو۔ میں بُرے اطوار و عادات یکے بعد دیگرے ترک کرتا گیا اور اپنے ارادے پر ہمیشہ قائم رہا۔ جو بات چھوڑی، کبھی اس کا خیال میں نے دوبارہ دل میں نہ آنے دیا۔

مَیں اسکول کے خالی وقتوں میں اپنے ہم مکتبوں کے مجمع میں قصے سنایا کرتا تھا۔ بدنظمی کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ طلبہ درجوں سے نکل کر تمام دن لہو ولعب میں مشغول رہتے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہوتا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ میری تعلیم کا ایک سال ضائع ہوگیا۔ لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ کھیلوں اور تقریر میں مشّاق ہونے کی وجہ سے مجھ کو اپنی غیر معمولی لیاقت کا یقین ہوگیا اور میں سمجھنے لگا کہ مشکل وقت میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔

مجھے بخوبی یاد ہے کہ ایک مرتبہ اسکول کے امتحان میں ایک طالب علم نے پہاڑے وغیرہ زبانی یاد کر کے اوّل انعام حاصل کرلیا تھا جس کو میں اپنا حصّہ سمجھے ہوئے تھا۔ لیکن تقسیمِ انعام کے وقت جب مقرّرہ کتابوں کے علاوہ ذاتی لیاقت کی آزمائش کے کچھ سوالات پوچھے گئے تو یہ حضرت خاموش رہ گئے اور بغلیں جھانکنے لگے۔ میں نے بڑھ کر یکے بعد دیگرے سب کے جواب دیے۔ ایک انگریز اس جلسے میں موجود تھا۔ اس نے مجھے اپنی جیبِ خاص سے انعام عطا کیا۔ مسز پوسٹن بھی اس موقع پر تشریف فرما تھیں۔ انھوں نے اپنی کتاب 'مغربی ہندوستان' میں اس واقعے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

انگریزی اور دیسی زبانوں کے اسکولوں کی تعلیم سے فارغ ہوکر مجھے کالج کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی فکر ہوئی۔ اسکول میں تو فیس نہ تھی۔ یہاں فیس کی ضرورت تھی مگر یہاں بھی خوش قسمتی شاملِ حال رہی۔ مجھے ایک ماہانہ وظیفہ مل گیا جس سے میں اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکا۔ کتب بینی کا شوق مجھے اوائلِ عمر سے تھا۔ اس وقت میں 'شاہنامہ فردوسیؔ' اور ایک گجراتی زبان کی کتاب اکثر پڑھا کرتا تھا۔ انھی دو کتابوں نے میرے اخلاق پر اچھا اثر ڈالا۔

نیکی، راست بازی اور خوش خُلقی کے سبق مجھے انھی کتابوں سے ملے لیکن انگریزی علم وادب سے مجھ کو زیادہ اُنس رہا اور اسی سے کام بھی زیادہ رہا۔ جس کتاب نے میرے خیالات کو پختگی بخشی وہ واٹ صاحب کی ایک تصنیف 'اِمپرُومنٹ آف مائنڈ' (ذہنی ارتقا) تھی۔ جہاں ایک لفظ میں مطلب ادا ہوسکتا تھا، میں کبھی دو لفظ نہ استعمال کرتا۔ میری طبیعت اختصار پسند واقع ہوئی تھی۔ تحریر میری

صاف اور سیدھی سادی ہوتی تھی۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ میرے خیالات کی پختگی بھی بڑھتی گئی۔ اس امر کا میرے دل پر بہت اثر تھا کہ میں فلاحی ادارے کی مدد سے تعلیم پا رہا ہوں۔ میں خود بھی مفلس ہوں، یہاں تک کہ مجھے ذاتی درسی کتب بھی میسّر نہ تھیں۔ یہ خیال میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہا اور روز بروز قوی ہوتا گیا کہ میں عوام کے دستِ کرم سے مستفید ہوا ہوں لہٰذا مجھ کو ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولنا چاہیے۔ میرے لیے لازم ہے کہ میں اپنی زندگی ملکی خدمات کے لیے وقف کر دوں۔

جب میں کالج کی تعلیم کے اعلیٰ مراتب طے کر چکا تو سر اَرسکن پیری نے جو اس وقت سررشتۂ تعلیم کی کمیٹی کے صدر تھے، تجویز کیا کہ میں قانون کی تعلیم کے لیے ولایت بھیجا جاؤں۔ صاحب موصوف مجھ سے اس قدر خوش تھے کہ انھوں نے آدھا خرچ اپنی جیبِ خاص سے عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ میرے بزرگوں کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے شبہ ہو گیا تھا کہ ولایت میں پادری لوگ مجھے عیسائی بنا دیں گے۔ برسوں بعد جب مجھے سر اَرسکن پیری سے نیاز حاصل ہوا، گفتگو کے دوران انھوں نے فرمایا کہ بہتر ہوا، تم اس وقت ولایت نہیں گئے۔ تم کو اس حالت میں یہ اُنس اپنی قوم و ملّت سے نہ پیدا ہوتا اور نہ تم میں یہ جوش قائم رہتا۔

مجھے یہ فکر لاحق ہوئی کہ حصولِ معاش کا کوئی ڈھنگ نکالوں۔ بمبئی کے سررشتۂ تعلیم کے سکریٹری صاحب میرے بڑے کرم فرما تھے۔ انھوں نے سکریٹریٹ میں میرے لیے ایک جگہ کی سفارش کر دی۔ شکر کا مقام ہے کہ اس سے انکار کر دینا میری آئندہ زندگی کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ اس جگہ کے قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ میں عمر بھر چھوٹے چھوٹے سرکاری عہدوں پر پڑا رہتا۔

یہ اس انقلاب کا زمانہ تھا جب بمبئی کی سوسائٹی بدل رہی تھی۔ چاروں طرف تعلیم نسواں، عورتوں کی آزادی، سوشل کانفرنسوں کے انعقاد اور طلبہ اور علم دوست اصحاب کے لیے علمی اور سائنٹفک کتب خانے جاری کرنے کی کوشش میں ہر نوجوان مشغول تھا۔ دیسی زبانوں کی ترقّی، کم سنی کی شادی کی رسم کو ختم کرنا اور بیواؤں کی شادی کو رواج دینے کی بھی ہر تعلیم یافتہ نوجوان کو فکر تھی۔ نوجوانوں کا یہ گروہ بزرگوں کی حمایت سے بھی محروم نہ تھا لیکن سر اَرسکن پیری اور پروفیسر پٹس وغیرہ کی اخلاقی امداد اور ہمدردی نے ہم لوگوں کی ہمت اور جرأت دوبالا کر رکھی تھی۔ یہ سب الفنسٹن کالج کی تعلیم کا اثر تھا۔

اگر میں اپنی زندگی کے اس حصّے پر اپنے دل میں ناز کروں تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ مجھے پورا اطمینان ہے کہ میں اپنے ملکی فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا۔ میرے عنفوانِ شباب کا زمانہ، میری اپنی رائے میں، بہت اچھے کاموں میں صَرف ہوا۔ جب میں اس زمانے کا خیال کرتا ہوں تو مجھے یک گونہ مسرت ہوتی ہے۔

میں پہلا ہندوستانی تھا جس کو الفنسٹن کالج کا پروفیسر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ پروفیسری کے خطاب سے مجھ کو اب تک خوشی ہوتی ہے اور اکثر میرے ہم عمر مجھے پروفیسر دادا بھائی کہتے ہیں۔ اہلِ ملک مجھے نہایت اعزاز اور محبت سے یاد کرتے ہیں۔ مجھے اپنے لیے 'پِتامہ' کے خطاب سے نہایت ہی مسرت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ خطاب جس سے کہ میرے ہم وطنوں کی دلی ہمدردی اور شکرگزاری کا اظہار ہوتا ہے اور جس کا میں مستحق نہیں ہوں، میرے نزدیک اپنی عمر بھر کی کوششوں کا اچھا ثمر ہے۔

اس موقع پر ایک نیک خاتون کا ذکرِ خیر بھی ضروری ہے، میری مراد اپنی والدہ سے ہے۔ میرے بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ نے اپنی تمام آسائشوں کو خیرباد کہہ کر میری پرورش اور تربیت کی۔ میری پرورش کے لیے انھوں نے سخت جفاکشی سے کام

لیا۔ وہ تعلیم یافتہ نہ تھیں اور انتہائی محبت کے باوجود مجھ پر سخت نظر رکھتی تھیں کہ میں بُری صحبتوں میں نہ پڑ جاؤں۔ وہ ایک عقل مند خاتون تھیں۔ قرب و جوار کے لوگ مختلف مسئلوں پر ان کے مشوروں کو غنیمت سمجھتے تھے۔ انھوں نے میرے ہمراہ تعلیمِ نسواں کے لیے کوشش کی اور اکثر قومی اصلاح کے کاموں میں وہ بھی میری معاون رہیں۔ الغرض مجھے انھوں نے ایسا شخص بنا دیا جس کو آپ اس کی موجودہ حالت میں دیکھتے ہیں۔

معانی و اشارات

اطوار	–	طور کی جمع، چال چلن، ڈھنگ
لہو ولعب	–	ہنسی مذاق، تفریح، مراد بے کار کام
بغلیں جھانکنا	–	شرمندہ ہونا، جواب نہ بن پڑنا
راست بازی	–	ایمانداری، سچائی
خوش خُلقی	–	اچھی عادات
سر رشتہ	–	محکمہ
ولایت	–	بیرون ملک

مشقی سرگرمیاں

سبق کی روشنی میں دیے ہوئے الفاظ سے متعلق مکمل جملہ لکھیے۔

۱۔ مشّاق ← ....

۲۔ ملکہ ← ....

۳۔ اُنس ← ....

۴۔ شوق ← ....

۵۔ اُصول ← ....

۶۔ نفرت ← ....

۷۔ شغل ← ....

خالی چوکون میں مناسب نام لکھیے۔

۱۔ وہ کتاب جس میں مصنف کی ذاتی لیاقت کی آزمائش کا تذکرہ ہے۔

کتاب کا نام [ ] مصنف [ ]

۲۔ وہ کتاب جس نے مصنف کے خیالات کو پختگی بخشی۔

کتاب کا نام [ ] مصنف [ ]

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ دادا بھائی نوروجی کو کس بات سے تسکین ہوتی تھی؟

۲۔ دادا بھائی نوروجی سے لوگ کس وجہ سے محبت کرتے تھے؟

۳۔ دادا بھائی نوروجی کے خیالات اور عادات و اطوار پر کس بات کا اثر پڑا؟

۴۔ دادا بھائی نوروجی مفت تعلیم کی تلقین کیوں کرتے تھے؟

۵۔ اسکول کے زمانے میں دادا بھائی نوروجی کے خالی وقت کا شغل کیا تھا؟

۶۔ دادا بھائی نوروجی کے بزرگوں کو کس بات کا شبہ تھا؟

۷۔ دادا بھائی نوروجی کو کس خیال سے مسرت ہوتی تھی؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ دادا بھائی کو اپنی ماں سے اپنے بارے میں کیا بات معلوم ہوئی؟

۲۔ دادا بھائی نوروجی کے تعلیم سے متعلق کیا خیالات تھے؟

۳۔ دادا بھائی نوروجی نے اپنی والدہ کے بارے میں کن باتوں کو بیان کیا ہے؟

تفصیلی جواب لکھیے۔

۱۔ دادا بھائی نوروجی کی تعلیم کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔

۲۔ زمانۂ انقلاب میں بمبئی کی بدلتی ہوئی سوسائٹی کے بارے میں دادا بھائی نے کون سی باتیں بتائی ہیں؟

۳۔ دادا بھائی نوروجی نے اپنے عہدِ شباب کے بارے میں کون سے واقعے بیان کیے ہیں؟

➢ درج ذیل خاکہ مکمل کیجیے۔

دادا بھائی نوروجی کو ملنے والے خطابات

ہم عمروں کی طرف سے	اہلِ ملک کی طرف سے

➢ "تعلیم کے ساتھ میرے خیالات کی پختگی بڑھتی گئی۔" متن کے حوالے سے دادا بھائی نوروجی کے احساسات قلمبند کیجیے۔

➢ دادا بھائی نوروجی کی والدہ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

➢ درج ذیل جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کا ایسا متبادل لفظ تحریر کیجیے کہ جملے کا مطلب تبدیل نہ ہو۔

۱۔ دوپہر کو آدھ گھنٹے کے لیے تعلیم سے فراغت ملتی، میں اس کھیل میں مشغول ہوجایا کرتا تھا۔

۲۔ اسکول میں میرا خالی وقت کا شغل یہی رہا تھا کہ میں اپنے ہم مکتبوں کے مجمع میں قصے کہا کرتا تھا۔

۳۔ کتب بینی کا شوق مجھے اوائلِ عمر سے تھا۔

۴۔ تم کو اس حالت میں یہ اُنس اپنی قوم وملت سے نہ پیدا ہوتا۔

بول چال

➢ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۔ ملکہ ہونا ۲۔ آفرین کہنا ۳۔ تامّل کرنا
۴۔ یکے بعد دیگرے ۵۔ بغلیں جھانکنا

زورِ قلم

۱۔ "میں نے کتاب پڑھی" اس عنوان پر درج ذیل نکات کی مدد سے مضمون تحریر کیجیے۔

کتاب کا نام ، مصنف ، موضوع ، حاصل مطالعہ، پسندیدگی کی وجہ۔

۲۔ آپ کے شہر میں تعلیم کو عام کرنے کی کوششوں سے متعلق کسی تعلیمی تقریب کی روداد تحریر کیجیے۔

۳۔ اپنی پسندیدہ تعلیمی شخصیت کے بارے میں مضمون لکھیے۔

روبرو

➢ اپنے شہر کی مشہور تعلیمی شخصیت سے ملاقات کیجیے اور ان سے تعلیم سے متعلق گفتگو کیجیے۔

تلاش وجستجو

➢ سبق سے کافِ بیانیہ کے پانچ جملے تلاش کر کے لکھیے۔

➢ سبق سے زیرِ اضافت کے پانچ الفاظ لکھیے۔

عبارت آموزی

شاہ نامہ فردوسی

'شاہنامہ' دسویں صدی عیسوی کے عظیم فارسی شاعر فردوسی کا شاہکار ہے۔ فردوسی کا پورا نام ابوالقاسم تھا۔ وہ ۹۴۰ء میں ایران کے شہر طوس کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ فردوسی نے مختلف اساتذہ سے فلسفہ، نجوم اور ادب کا علم حاصل کیا۔ پھر چالیس سال کی عمر میں اپنی شاہکار نظم لکھنے کی ابتدا کی جسے 'شاہنامۂ فردوسی' کہا جاتا ہے۔ فردوسی نے مسلسل تیس برسوں میں شاہنامے کو مکمل کیا۔ اس طرح اپنی عمر کے ۷۰/ سال مکمل ہونے پر وہ ۶۰/ ہزار اشعار پر مشتمل شاہنامہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ فردوسی کا مقصد اس نظم کے ذریعے ایران کی شاندار تاریخ اور اس کی عظمت کو بیان کرنا تھا اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔

'شاہنامہ' ایک طویل رزمیہ داستان ہے جس میں ایران کی تاریخ کے مختلف ادوار ، ایرانیوں کی شجاعت و بہادری کی داستانوں، بادشاہوں کی تاریخ، جنگ و جدل، رسم ورواج، مذہبی صورتِ حال اور سماجی زندگی کی خوب صورت انداز میں عکاسی کی گئی ہے۔ اسی لیے علامہ شبلی نعمانی نے 'شاہنامے' کو ایرانی قوم کا افسانہ کہا ہے۔

'شاہنامۂ فردوسی' مختلف شعری و فنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ فردوسی نے ہر طرح کے خیالات، مضامین، کیفیات اور مناظر کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فردوسی کی اس شاہکار نظم کو عالمی ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

آیئے، زبان سیکھیں

گزشتہ جماعتوں میں آپ ماضی کی چند قسموں کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے زمانے پہچانیے۔

١۔ ایک صحابی کنویں کے مالک سے ملے۔

٢۔ انھوں نے ساری جائداد بھتیجے کے نام لکھوا دی۔

٣۔ میں نے بہت دنوں سے انڈا نہیں کھایا تھا۔

٤۔ بچے ان کتابوں کو پڑھ چکے تھے۔

٥۔ دادی کی مایوسی بڑھتی جارہی تھی۔

٦۔ میں اس آواز کو وہم سمجھ رہا تھا۔

ان جملوں کے افعال سے ان کی قسموں کا پتا چلتا ہے جیسے

ملے/لکھ دی (ماضی مطلق)

کھایا تھا/ پڑھ چکے تھے (ماضی بعید)

بڑھتی جارہی تھی/سمجھ رہا تھا (ماضی استمراری)

اب ذیل کے جملوں کو پڑھیے۔

١۔ تم محنت کرتے تو ضرور کامیاب ہوتے۔

٢۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ آتا۔

اوپر کے جملوں سے پتا چلتا ہے کہ فعل کے پورا ہونے کے لیے ایک شرط ضروری ہے جیسے کامیاب ہونے کے لیے محنت کرنا۔

ایسے شرطیہ جملوں کا فعل ماضی ہوتا ہے اور اس فعل کو **ماضی شرطیہ** کہتے ہیں۔ اکثر ماضی شرطیہ کے جملوں میں حرفِ شرط 'اگر' کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ماضی کے اکثر جملوں میں کام (فعل) کے پورا ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ جیسے:

١۔ آپ نے یہ خبر سنی ہوگی۔

٢۔ اس نے میری بات نہ سن لی ہو۔

ان جملوں سے واضح نہیں ہے کہ آپ نے 'واقعی' خبر سنی ہے یا مجھے شبہ ہے کہ اس نے میری بات سن لی ہوگی۔

ماضی کے جن جملوں میں فعل کی یہ صورت ہو تو اسے **ماضی احتمالی** کہتے ہیں۔

اب ذیل کے جملوں کو پڑھیے۔

١۔ اچھا ہوتا کہ تم بھی وہاں آجاتے۔

٢۔ کاش! اس وقت کسی نے میری مدد کی ہوتی۔

ان جملوں سے کہنے والے کی تمنا کا اظہار ہو رہا ہے۔ ماضی کے ایسے جملوں میں فعل کے پورا ہونے کی تمنا پائی جاتی ہے اس لیے ایسے ماضی کو **ماضی تمنائی** کہتے ہیں۔

ذیل کے جملوں میں ماضی شرطیہ، ماضی احتمالی اور ماضی تمنائی پہچانیے۔

١۔ اس نے یہ بات کسی سے سن لی ہوگی۔

٢۔ کاش! میں نے آپ کی نصیحت پر عمل کیا ہوتا۔

٣۔ بارش نہ ہوتی تو دریا میں سیلاب بھی نہ آتا۔

اضافی مطالعہ

آپ بیتی میں لطفِ بیان کی وجہ سے قاری اُسے اپنی آپ بیتی سمجھنے لگتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آپ بیتی جگ بیتی بھی ہوتی ہے۔

اُردو میں کئی آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں۔ ان میں مولانا آزاد کی آپ بیتی 'تذکرہ'، کلیم الدین احمد کی 'آپ بیتی'، آلِ احمد سرور کی 'خواب باقی ہیں'، شمیم کرہانی کی 'گھومتی ندی'، اختر الایمان کی 'اس آباد خرابے میں'، ندا فاضلی کی 'دیواروں کے بیچ' وغیرہ کافی مشہور و مقبول ہیں۔

NN882Z

۹۔ فقیر

عظیم بیگ چغتائی

پہلی بات : ایک فقیر نے ایک دروازے پر کھانے کے لیے آواز لگائی۔ اندر سے ایک خاتون کی آواز آئی کہ ابھی کھانا نہیں بنا ہے۔ فقیر برجستہ بولا، ”آپ میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیجیے اور کھانا بنتے ہی مجھے مس کال دیجیے، میں حاضر ہو جاؤں گا۔“ آج جدید ٹکنالوجی کے دور میں ہر شخص اپنے کام، کاروبار کے لیے نت نئے طریقے اختیار کر رہا ہے۔ ان میں وہ تندرست لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے بھیک مانگنے کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے۔ کئی موقعوں پر ڈانٹ پھٹکار سننے کے باوجود وہ اس قسم کی حرکت سے باز نہیں آتے۔ ذیل کے سبق میں ایسے ہی ایک فقیر کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔

جان پہچان : عظیم بیگ چغتائی ۱۸۹۵ء میں جودھ پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔اے اور ایل۔ایل۔بی کیا۔ جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ وہ واقعات کا بیان ہلکے پھلکے مزاح کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کے مضامین ہوں، مزاحیہ افسانے یا ناول، یہ خصوصیت ہر جگہ برقرار رہتی ہے۔ ان کے کردار ہمیشہ ایسی حرکتیں کرتے نظر آتے ہیں جن پر بے ساختہ ہنسی آ جاتی ہے۔

انھوں نے بہت زیادہ لکھا ہے۔ چھوٹی بڑی پینتیس سے زائد تصانیف میں سے ’کولتار، خانم، شریر بیوی، جنت کا بھوت، مرزا جنگی‘ اور ’روحِ ظرافت‘ زیادہ مقبول ہوئیں۔ مزاح نگاری کے علاوہ ’قرآن اور پردہ، حدیث اور پردہ‘ جیسی مذہبی اور سنجیدہ کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔ ۲۰؍اگست ۱۹۴۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں غسل خانے سے نہا کر برآمدے میں جو نکلا تو کسی فقیر نے سڑک پر سے کھڑکی کی چلمن میں شاید پرچھائیں یا جنبش دیکھ کر صدا دی، ”مائی، تیرے بیٹا ہووے۔“ میں نے اس فقیر کو ایک قابلِ رحم ہستی پایا۔ ایک فاقہ زدہ، ضعیف العمر، چیتھڑے لگائے، بے کسی اور بے بسی کی زندہ تصویر۔ مجھے اس کی حالتِ زار دیکھ کر بڑا رحم آیا اور میں نے اس سے کہا کہ گھوم کر صدر دروازے پر آ جاؤ۔

صبح کا وقت تھا، میں چائے پینے لگا اور گھر والی سے کہا کہ ایک انتہا سے زیادہ قابلِ رحم فقیر آیا ہے، اُسے دو چار پیسے دے دو، دو توس اور ایک پیالی چائے بھی دے دینا۔

مسٹنڈے فقیروں سے جتنی مجھے نفرت ہے، اس سے دوگنی نفرت میری بیوی کو ہے اور اسی مناسبت سے اُن فقیروں یعنی محتاجوں سے اُلفت ہے جو واقعی رحم و کرم کے مستحق ہیں۔

خانم نے فقیر کا نام سن کر جلدی جلدی توسوں کو انگیٹھی پر سینکا، ایک پیالی میں بہت سا دودھ ڈال کر چائے بنا دی اور سینی میں چار پیسے رکھ کر لڑکے سے کہا، ”فقیر کو برآمدے میں بٹھا کر کھلا دے۔“

اب قسمت ملاحظہ ہو کہ وہ غریب محتاج جسے میں نے بلایا تھا، صدر دروازے کی پشت پر تھا، گھوم کر آ جانا اُس کے لیے مشکل ہوا یا آتے میں کسی دوسرے گھر سے مانگنے لگا ہوگا یا پھر اپنی راہ کھوٹی نہ کرنا چاہتا ہوگا۔ قصّہ مختصر، وہ تو آیا نہیں البتہ اس کے بدلے پھاٹک

میں ایک اور فقیر صاحب داخل ہوئے اور اپنی صدا لگانے بھی نہ پائے تھے کہ لڑکا ناشتہ لے کر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک فقیر صاحب گلے میں مالا ڈالے، موٹا سا فقیرانہ ڈنڈا اور فقیرانہ لباس، گلے میں جھولی، ہاتھ میں چمّل، تہمد باندھے موجود ہیں۔ اُس نے کہا، "سائیں جی، برآمدے میں آ جاؤ۔" سائیں جی نے غنیمت سمجھا اور ناشتہ شروع کیا۔

اِدھر میں نے خانم سے کہا کہ پرانا سویٹر اور ایک قمیص فقیر کو اور بھیج دو۔ سردی کا وقت ہے اور غریب مر رہا ہوگا جاڑے سے۔ خانم نے جلدی سے ایک قمیص اور پرانا سویٹر لیا اور لڑکے کو دیا۔ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ فقیر کیا کہتا ہے؟ لڑکے نے کہا، "خوب دعائیں دے رہا ہے اور کھا رہا ہے۔" لڑکا قمیص اور سویٹر لے کر پہنچا اور وہ بھی فقیر صاحب کی نذر کیا۔ اتنے میں مَیں چائے پی کر باہر نکلا تاکہ فقیر کو گرم کپڑے پہنے ہوئے دیکھنے سے جو خوشی حاصل ہوسکتی ہے، اُس سے لطف اُٹھاؤں۔

باہر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ہٹا کٹّا، انتہا سے زیادہ مضبوط فقیر ڈکاریں لے رہا ہے اور سویٹر اور قمیص ہزاروں دعاؤں کے ساتھ لپیٹ کر جھولی میں رکھ رہا ہے۔ دراصل یہ مسٹنڈا صرف ایک سینہ کھلی فقیروں والی کفنی پہنے تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صبح کی سرد ہوا سے لطف اُٹھا رہا ہے۔ سینہ بالشت بھر اونچا، داڑھی منڈی ہوئی، کلّے چڑھے ہوئے۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت لگے مجھے دعائیں دینے۔

اب میں آپ سے کیا عرض کروں، سارا کھایا پیا خون ہوگیا۔ جان سلگ کر رہ گئی۔ جی میں تو یہی آیا کہ اِس کم بخت کا منہ نوچ لوں۔ ڈنڈا اور چمّل اُٹھا کر لگے حضرت دعائیں دے کر رخصت ہونے۔ دعاؤں میں مبالغے سے میری اور بھی جان جلی۔ اتنے میں خانم نے بھی جھانک کر دیکھا، وہاں بھی یہی حال ہوا۔ اب بتائیے کیا کیا جاسکتا تھا؟ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ میرے ایک دوست بھی آ گئے۔ میں نے دو لفظوں میں فقیر کی ستم آرائی بیان کی اور پھر فقیر سے کہا، "اتنے موٹے تگڑے ہو کر بھیک مانگتے ہو، بڑے شرم کی بات ہے۔"

اس کے جواب میں فقیر صاحب نے اپنے پیدائشی حقوق سے دست برداری سے معذوری ظاہر کی اور اب میں یہ سوچنے لگا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اِس بدتمیز سے کم از کم سویٹر اور قمیص ہی واپس چھین لوں۔ میرے دوست نے کہا، یہ مناسب نہیں ہے مگر حضرت، وہ جو کسی نے کہا ہے : ع　　　درد اُس سے پوچھیے، جس کے جگر میں ٹیس ہو

میں نے کہا کہ خواہ اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے، میں اس موذی کو یہ چیزیں ہرگز ہرگز ہضم نہ کرنے دوں گا۔ میں نے اُس محتاج کی تلاش کرائی، ملازم اسے تلاش کرنے گیا اور اب میں نے اِدھر فقیر صاحب کو لیا آڑے ہاتھوں۔ میں نے کہا، "تم نوکری کیوں نہیں کرتے؟"

وہ کچھ جل کر بولا، "آپ ہی رکھ لیجیے۔"

میں نے فوراً رضامندی ظاہر کی اور دس روپیا ماہوار اور کھانا تجویز کیا۔ فقیر صاحب اِس کے جواب میں بولے، "اور گھر والوں کو زہر دے دوں؟"

میں نے کہا، "کیوں؟"

وہ بولا، "آپ دس روپیا دیتے ہیں، ڈھائی آنہ روز کا تو گائے رزقہ کھاتی ہے، اور ایک بیوی تین بچے۔ پانچ روپے میں گزر

کیسے ہوگا؟"

"گائے بھی ہے تمھارے پاس؟" میں نے متعجب ہوکر کہا۔

وہ بولا، "صاحب آپ بڑے آدمی ہیں، ہم بھلا کہاں سے پیسے لائیں جو روز تین سیر دودھ خریدیں؟"

"تین سیر؟" میں نے متعجب ہوکر کہا۔ "تین سیر! بھئی تین سیر کا خرچ کیسا؟"

معلوم ہوا، خیر سے خود حضرت دو سیر دودھ یومیہ نوش کرتے ہیں۔ میں پھر تنخواہ کے سوال پر آیا تو عُسرت کی شکایت کرتے ہوئے تیس روپے ماہوار کا خرچ گھر کا بتایا اور قائل ہوکر کہا کہ اگر کم و بیش کسی روزگار میں اتنی کمائی ہوجائے کہ تنگی ترشی سے بھی گھر کا خرچ چل جائے تو فقیری چھوڑنے کو ابھی ابھی تیار ہیں۔

اب میں اپنے دوست کی طرف دیکھتا ہوں اور وہ میری طرف۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت دوپہر کے قیلولے کے سخت عادی ہیں اور کسی صورت میں بھی دوپہر میں تو کام کر ہی نہیں سکتے۔ ویسے ہر طرح کوئی پیشہ، دھندا، نوکری، غرض جو بھی بتاؤ، اس کے لیے حاضر ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے۔ میں اِس موذی کو کیا جواب دیتا۔ میرا وہ حال کہ مرے پر سو دُرّے۔ اتنے میں ملازم آیا۔ باوجود سخت تلاش کے وہ محتاج نہ ملا۔ اگر میرے دوست نہ ہوتے تو غالباً میں اِس موذی سے ضرور کپڑے چھین لیتا مگر میں نے اور ترکیب سوچی۔

میں نے قطعی طور پر فقیر صاحب سے کہا کہ میں تمھیں اِس حرام خوری کی سزا دیے بغیر ہرگز نہ جانے دوں گا۔ پچاس دفعہ کان پکڑ کر اُٹھو بیٹھو، اور خبردار جو پھر کبھی اِس طرف کا رُخ کیا۔

فقیر نے غصّے کے شعلے میری آنکھوں میں دیکھے۔ ممکن ہے کہ یہی سوچا ہو کہ سویٹر اور قمیص دونوں بالکل ثابت ہیں، سودا پھر بھی بُرا نہیں۔ نہایت ہی خاموشی اور سادگی سے آپ نے اپنا ڈنڈا اور پیالہ ایک طرف رکھا، جھولی اور مالا اُتار دی۔ اب یہ حضرت ایک ہنکار کے ساتھ بڑے زور سے ہونہہ کر کے بغیر کان پکڑے ہوئے پہلوانوں کی طرح ایک سپاٹے کے ساتھ پاؤں سرکا کر بیٹھک لگا گئے۔

"بدتمیز، بے ہودہ۔" میں نے جل کر کہا، "یاد رکھو، تمھیں پولس میں دے دوں گا۔ کان پکڑ کر سیدھی طرح اُٹھو بیٹھو۔" دو دفعہ ان کو میں نے کان پکڑوا کر اُٹھنا بیٹھنا بتایا اور یہ حضرت سزا بھگتنے میں مشغول ہوگئے۔ یہ حضرت میری پشت کی طرف تھے اور ہم دونوں دوست فقیروں کو برا بھلا کہنے میں مشغول ہوئے۔

ایک دم سے مجھے خیال آیا کہ 'کان پکڑی' غالباً پچاس دفعہ ہوچکی۔ مُڑ کر میں نے دیکھا تو سرعت کے ساتھ جاری تھی۔ میں نے پوچھا تو وہ بولا کہ ایک سو دس دفعہ کی۔ میں نے کہا، "بس بس۔ اب جاؤ! میں نے تو پچاس دفعہ کو کہا تھا، زیادہ کیوں کی؟"

وہ بولا، "صاحب! پانچ سو بیٹھکیں روز لگاتا ہوں، میں نے سوچا کہ اب بار بار کون کرتا پھرے، لاؤ یہیں پوری کرلوں۔"

"ارے" میں نے اس کم بخت کو اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھتے ہوئے کہا، "کیا تو پہلوانی کرتا ہے؟" واللہ! میں نے گویا اب اس کو غور سے دیکھا، کان ٹوٹے ہوئے، سینہ اور شانہ اور پٹّھے، خوب کسرتی بدن!

جواب دیتے ہیں، "ویسے نہیں کہتا، شہر کے جس پٹھے سے جی چاہے لڑا لیجیے۔"

میں نے کہا، "کم بخت جی میں تو یہی آتا ہے کہ تیرا اور اپنا سر ملا کر لڑا لوں۔ نکل یہاں سے۔"

جلدی جلدی اُس نے اپنی جھولی وغیرہ اُٹھائی اور سیکڑوں دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

معانی و اشارات

چلمن	-	پردہ
جنبش	-	حرکت
صدا دینا	-	فقیر کا آواز لگانا
فاقہ زدہ	-	بھوک کا مارا، بھوکا
حالتِ زار	-	بُری حالت
صدر دروازہ	-	داخلی دروازہ، مین گیٹ
مسٹنڈا	-	موٹا تازہ، ہٹّا کٹّا
سینی	-	دھات کا بنا ہوا خوان
راہ کھوٹی کرنا	-	دیر لگانا، کسی کام کا بگاڑنا
چمّل	-	کاسہ، بھیک کا کٹورا
سائیں جی	-	فقیر
شش و پنج	-	سوچ بچار
دست بردار ہونا	-	چھوڑ دینا
موذی	-	تکلیف پہنچانے والا
رزقہ	-	خوراک مراد چارا
عسرت	-	تنگی، غریبی
کفنی	-	بے آستین کا کرتا
مرے پر سو درّے	-	مصیبت پر مزید مصیبت نازل ہونا
ہنکار	-	ہاں کی آواز
سرعت	-	تیز رفتاری، تیزی، جلدی
پٹّیں	-	رانیں

مشقی سرگرمیاں

سبق کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو مکمل کیجیے۔

➢ **'مائی تیرے بیٹا ہووے' یہ صدا لگانے والے فقیر کا حلیہ بیان کرنے کے لیے خاکے میں مناسب لفظ لکھیے۔**

صدا لگانے والے فقیر کا حلیہ بیان کرنے والے الفاظ

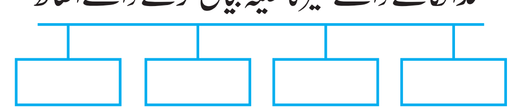

➢ **ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔**

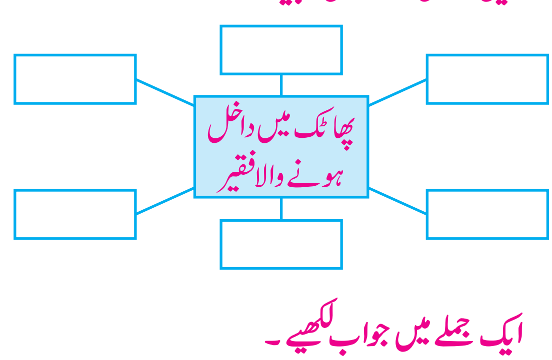

➢ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ صدا لگانے والا فقیر کیسا نظر آ رہا تھا؟
۲۔ خانم نے فقیر کو ناشتے کے لیے کون کون سی چیزیں بھیجیں؟
۳۔ مصنف نے ناشتہ کرنے والے فقیر سے کیا کہا؟
۴۔ مسٹنڈا فقیر نوکری کیوں نہیں کرنا چاہتا تھا؟
۵۔ مسٹنڈے فقیر نے اپنے گھر کا ماہانہ خرچ کتنا بتایا؟
۶۔ مصنف نے فقیر کو کیا سزا دی؟

➢ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ ناشتہ کرتے ہوئے فقیر کو دیکھ کر مصنف کی جان کیوں سلگ کر رہ گئی؟
۲۔ مسٹنڈے فقیر کے روزانہ کے معمولات کیا تھے؟
۳۔ مسٹنڈا فقیر کس شرط پر فقیری چھوڑنے کے لیے تیار تھا؟

➢ **مفصل جواب لکھیے۔**

۱۔ مصنف کی ہدایت پر خانم نے فقیر کی تواضع کس طرح کی؟ سبق کی روشنی میں تفصیل سے لکھیے۔
۲۔ مسٹنڈے فقیر کو دیکھ کر مصنف کی طبیعت پر کیا اثر ہوا؟ مصنف کا ردِّ عمل لکھیے۔

بول چال

➢ مندرجہ ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۔ راہ کھوٹی نہ کرنا
۲۔ کھایا پیا خون ہونا
۳۔ جان سلگ کر رہ جانا
۴۔ آڑے ہاتھوں لینا
۵۔ شش و پنج میں ہونا
۶۔ اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جانا

آئیے، کرکے دیکھیں

➢ بے کسی اور بے بسی کی زندہ تصویر۔ فقرے میں خط کشیدہ کی طرح ’بے‘ سابقہ لگا کر چار نئے مرکب الفاظ بنائیے۔

➢ صحیح متبادل کا انتخاب کرکے جملے مکمل کیجیے۔

۱۔ خانم نے .... کا نام سن کر جلدی جلدی توسوں کو انگیٹھی پر سینکا۔ (دوست ، فقیر ، سائیں جی)
۲۔ یہ مسٹنڈا صرف ایک سینہ کھلی .... والی کفنی پہنے تھا۔ (پہلوانوں ، چیتھڑوں ، فقیروں)
۳۔ میں نے دو لفظوں میں فقیر کی .... بیان کی۔ (ستم آرائی ، کہانی ، روداد)
۴۔ خیر سے خود حضرت دو سیر دودھ .... نوش کرتے ہیں۔ (تنہا ، روزانہ ، یومیہ)
۵۔ فقیر نے غصّے کے .... میری آنکھوں میں دیکھے۔ (شعلے ، انگارے ، ڈورے)
۶۔ ہم دونوں دوست فقیروں کو .... کہنے میں مشغول ہوئے۔ (اُلٹا سیدھا ، برا بھلا ، سست)

➢ درج ذیل جملوں میں مناسب علاماتِ اوقاف لگائیے۔

۱۔ فقیر صاحب اس کے جواب میں بولے اور گھر والوں کو زہر دے دوں
۲۔ تین سیر بھئی تین سیر کا خرچ کیسا
۳۔ بس بس اب جاؤ میں نے تو پچاس دفعہ کہا تھا زیادہ کیوں کی

زورِ قلم

’گداگری ایک سماجی لعنت‘ اس عنوان پر دس سطروں کا مضمون لکھیے۔

زورِ خطابت

➢ غریب ضرورت مندوں کی امداد کے لیے ’روٹی بینک - وقت کی ضرورت‘ پر اظہارِ خیال کیجیے۔

عبارت آموزی

ہمارے معاشرے میں مختلف قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں جن میں امیر و غریب، مفلس و تونگر، سخی و فقیر، مالدار و نادار اور تندرست و بیمار ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ غریبوں، مفلسوں، ناداروں اور مستحق لوگوں کے ساتھ تعاون، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات ہر انسان میں پائے جاتے ہیں۔ تمام مذاہب اپنے ماننے والوں کو اسی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں کئی لوگ اس جذبۂ ہمدردی سے بے جا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ تندرست ہوتے ہیں لیکن اپنے ساتھ غریبوں، محتاجوں اور بیماروں جیسا برتاؤ چاہتے ہیں۔ وہ مفت خوری کے لالچ میں انسانی مقام سے نیچے گرنے کی بھی پروا نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے حقوق بھی متاثر کرتے ہیں۔ انھیں اپنے تندرست جسم و جان کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔ اپنی جسمانی صلاحیتوں سے بے فکر یہ لوگ اسی فکر میں ہوتے ہیں کہ انھیں بغیر محنت کے زندگی کی تمام سہولتیں کس طرح مفت حاصل ہوسکتی ہیں۔ نتیجتاً یہ لوگ بھیک مانگنے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔

دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا ایک معیوب بات ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شرم و حیا کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ ایسے لوگ مدد کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان کی مدد کرنی چاہیے۔

سوالات :

۱۔ معاشرے میں کس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں؟
۲۔ کون لوگ بے جا ہمدردی کا فائدہ اُٹھاتے ہیں؟
۳۔ اس اقتباس میں کس بات کو معیوب کہا گیا ہے؟
۴۔ کون لوگ ہماری توجہ کے مستحق ہیں؟

آیئے، زبان سیکھیں

سابقے/ لاحقے

ذیل کے لفظوں کو پڑھیے اور ان کی بناوٹ پر غور کیجیے۔

اَن جان، اَن گنت، اَن سنی

بے کسی، بے باک، بے ہودہ

با ادب، باشعور، باآسانی

بن بلایا، بلا اجازت

ان لفظوں کے دو حصے کیے جاسکتے ہیں۔

اَن + سنی = اَن سنی

بے + باک = بے باک

با + ادب = با ادب

بلا + اجازت = بلا اجازت

ان مثالوں میں لفظوں کے دوسرے حصے پورے معنی رکھتے ہیں لیکن پہلے حصے کے معنی پورے نہیں۔ یہ دوسرے حصے سے مل کر ہی پورے لفظ کو بامعنی بناتے ہیں۔ اس طرح بننے والے لفظوں کے پہلے حصے کو سابقہ کہتے ہیں۔ یعنی اوپر کی مثالوں میں 'ان/ بے/ با/ بلا' سابقے ہیں۔ چونکہ یہ اصل لفظ سے پہلے آتے ہیں اس لیے انھیں **'سابقے'** کہا جاتا ہے۔ ذیل کی مثالیں دیکھیے۔

کم + زور = کمزور

بد + تمیز = بدتمیز

خوش + بو = خوشبو

ان مثالوں میں سابقے 'کم، بد، خوش' پورے معنی والے الفاظ ہیں یعنی ضروری نہیں کہ سابقے 'بے/ با' وغیرہ کی طرح ادھورے لفظ ہوں۔

➢ **جن سابقوں کا یہاں تعارف کرایا گیا ہے انھیں استعمال کر کے لفظوں کی دوسری مثالیں تیار کیجیے۔**

گزشتہ جماعتوں میں آپ ان لفظوں کو بار بار پڑھ چکے ہیں جیسے: عقل مند، طاقتور، کامیاب، خبردار، چغل خور، فاقہ زدہ وغیرہ وغیرہ۔

سابقے والے لفظوں کی طرح یہ الفاظ بھی دو حصوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں۔

عقل + مند = عقل مند

طاقت + ور = طاقتور

کام + یاب = کامیاب

خبر + دار = خبردار

چغل + خور = چغل خور

فاقہ + زدہ = فاقہ زدہ

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان لفظوں کے پہلے حصے میں آنے والے الفاظ پورے معنی رکھتے ہیں جبکہ دوسرے حصے میں آنے والے الفاظ تقریباً بے معنی ہیں۔ دوسرے حصوں میں آنے والے ایسے ادھورے معنی والے لفظ کو لاحقہ کہتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں 'مند/ ور/ یاب/ دار/ خور/ زدہ' لاحقے ہیں۔ چونکہ یہ اصل لفظوں کے بعد آتے ہیں اس لیے انھیں **'لاحقے'** کہا جاتا ہے۔

➢ **ذیل کے لاحقوں سے پہلے لفظوں کا اضافہ کرکے نئے الفاظ بنائیے۔**

مثال: دل + چسپ = دلچسپ

خواہ، نگار، نویس، دان، نما

NNH44H

۱۰۔ روبوٹ : مشینی انسان

محمد خلیل

پہلی بات : کسی شخص پر حد سے زیادہ کام کا بوجھ پڑ جائے تو وہ تنگ آ کر کہہ اُٹھتا ہے، 'میں آدمی ہوں، مشین نہیں'۔ ممکن ہے بہت سے کاموں کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش میں کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ کوئی ایسی مشین ایجاد کی جائے جو انسانوں سے زیادہ کام کرے اور ایسے کام بھی کر ڈالے جو انسانوں کے بس میں نہیں۔ روبوٹ کی ایجاد ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ یہ مشین دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے ڈھیر سارے کام پورے کر دیتی ہے۔ ذیل کے مضمون میں روبوٹ کے متعلق مفید معلومات پیش کی گئی ہے۔

جان پہچان : محمد خلیل ۳۰؍ جنوری ۱۹۴۴ء کو جونپور میں پیدا ہوئے۔ وہ سائنسی مضمون نگار کی حیثیت سے ملک کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم انٹر کالج جونپور میں ہوئی اور انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم ایس سی اور بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کی مادری زبان اُردو تھی لیکن ان کے مضامین مختلف انگریزی اخباروں اور رسالوں میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ ماہنامہ 'سائنس کی دنیا' (دلّی) کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی سطح پر انھیں کئی اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔

تھامس نامی ایک نوجوان ۱۲۴۷ء میں اپنے استاد البرٹ کے گھر گیا۔ وہاں دروازے پر لٹکے لوہے کے ہتھوڑے کو اس نے اُٹھایا اور دروازے پر تین مرتبہ دستک دی۔ دروازے کے پیچھے کی طرف کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ اسے کچھ حیرانی سی ہوئی۔ نوکرانی مارتھا کے چلنے کی آواز ایسی نہ تھی۔ کیا اس کے استاد نے کوئی نئی نوکرانی رکھ لی ہے؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا۔

تھامس نے اس انجانی عورت کو سلام کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ عورت نے عجیب سی آواز میں سلام کا جواب دیا۔ عورت کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا اور اس کی آواز بناوٹی سی معلوم ہو رہی تھی۔ اندر آ کر عورت ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اچانک بولی، "تمھارا استاد لائبریری میں تمھارا انتظار کر رہا ہے۔" تھامس نے دیکھا کہ اس کے ہونٹ تو ہلتے نہیں ہیں مگر اس کی آواز نکل رہی ہے جو منہ کی جگہ اس کے سینے سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔ تھامس نے اسے کوئی بھوت پریت سمجھا اور پاس رکھی ہوئی ایک چھڑی سے اس عورت کی پٹائی شروع کر دی۔ مار پیٹ کی آواز سن کر بزرگ استاد بھاگا ہوا کمرے میں آیا لیکن اس وقت تک عورت بے جان ہو چکی تھی۔ اس کے جسم کے مشینی ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔

تھامس کا استاد البرٹ چلّایا، "او بے وقوف! تم نے میری تین سال کی محنت برباد کر دی۔"

اصل میں وہ انسان کا بنایا ہوا پہلا روبوٹ تھا۔ اب نہ تو البرٹ کی اس عورت کا کوئی نشان ہی باقی ہے اور نہ ہی اس کے بنائے جانے کے بارے میں کوئی جانکاری ہے۔ اس واقعے کا ذکر بس کتابوں میں رہ گیا ہے۔

۱۴۹۵ء میں اٹلی کے سائنس داں لیونارڈو دا وِنچی نے بھی ایک انسان نما روبوٹ بنایا جو بیٹھ سکتا تھا، ہاتھ پیروں کو حرکت دے سکتا تھا اور گردن ہلا سکتا تھا۔

آج لاکھوں کی تعداد میں روبوٹ دنیا کے مختلف ملکوں مثلاً امریکہ، برطانیہ، جرمنی، جاپان وغیرہ میں موجود ہیں۔ زیادہ درجۂ حرارت پر گاڑیوں پر روغن کرنا، کٹائی کرنا، پالش کرنا، سامان اُتارنا چڑھانا، آگ بجھانا، عمارتوں میں اونچائی تک پہنچ کر کام انجام دینا، آپریشن کرنا، گھر کی حفاظت کرنا اور اطلاع دینا جیسے کئی طرح کے کام روبوٹ انجام دے رہے ہیں لیکن یہ روبوٹ جس خاص کام کے لیے بنائے جاتے ہیں، وہ وہی کام کر پاتے ہیں۔ اس طرح کے روبوٹ صرف حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہوتے ہوئے تکنیک کی مدد سے کام کرتے ہیں۔ کسی چیز کو اُٹھاتے وقت ان کے ہاتھ سے اگر وہ چیز گر جائے تو وہ پھر اسے اٹھا نہیں سکتے۔ لیکن اب ایسے روبوٹ بن گئے ہیں جو حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

خوب سے خوب تر کی تلاش انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ چنانچہ سائنس داں روبوٹ کی ساخت اور افعال میں تبدیلی کرتے رہے جس کے نتیجے میں مختلف قسم کے روبوٹ وجود میں آئے مثلاً انڈسٹریل روبوٹ، میڈیکل روبوٹ، مریض کی تیمارداری کرنے والے روبوٹ، ڈرون روبوٹ، ملٹری روبوٹ، نیوز روبوٹ اور مائیکروسکوپک روبوٹ۔ ملٹری روبوٹ مختلف قسم کے ہتھیاروں کا استعمال کر سکتے ہیں۔ ضعیف، بیمار اور اپاہج افراد کے لیے بنایا گیا روبوٹ جس کا نام فرینڈ (Friend) رکھا گیا، ضرورت مند افراد کے روزمرہ کاموں میں مدد کرتا ہے۔

ٹیکنالوجی کے ماہرین انسانوں کے کام بڑے پیمانے پر روبوٹ سے لینے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ہر کام تیزی اور آسانی سے ہو سکے۔ آج کل تجارتی اور صنعتی شعبوں میں زیادہ تر روبوٹ کام کر رہے ہیں۔ چین میں روبوٹ عدالتوں میں اپنی ذمّہ داریاں نبھا رہے ہیں جبکہ دنیا کے مختلف ممالک کی ہوٹلوں میں یہ ویٹرس کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ دُبئی کے محکمۂ پولس میں مختلف ذمہ داریاں روبوٹس کے سپرد کی گئی ہیں۔

سینٹ پیٹرز برگ کے ایک سائنسی ادارے نے ایسا روبوٹ تیار کیا ہے جو اپنے خاص طرح کے مصنوعی مشینی ہاتھ کے ذریعے لوہے کو بھٹی میں ڈال دیتا ہے۔ پھر ایک خاص درجۂ حرارت تک گرم ہونے پر اسے باہر نکال کر خود تیل میں ڈبو دیتا ہے اور ضرورت کے مطابق اسے موڑ دیتا ہے۔ ہنگری کے سائنس دانوں نے ایک ایسا روبوٹ تیار کیا جو الگ الگ چیزوں کو اُٹھا کر طے کی ہوئی مختلف جگہوں پر رکھ سکتا ہے۔ اس روبوٹ میں چار ہزار سے زیادہ چیزوں کو پہچاننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح جاپان کا ایک روبوٹ نو رنگوں کو پہچان سکتا ہے اور اپنا کام پورا کرنے کے بعد اپنی غلطیوں کو خود صحیح کر لیتا ہے۔ نیز جیسے ہی وہ کام پورا کر لیتا ہے، اس کی اطلاع دیتا ہے۔ یہ روبوٹ کئی قسم کی مشینوں پر کام کرنے میں کامیاب ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جب اس روبوٹ کو اس کی طاقت سے زیادہ کام دیا جاتا ہے تو یہ اس کام کو کرنے سے اشارے میں یا آواز سے انکار کر دیتا ہے۔

جاپان کے ایک سائنس داں ہیروشی آشتی نے برسوں کی محنت کے بعد ایک روبوٹ بنایا ہے جس کا نام ایریکا (Erica) رکھا ہے۔ یہ روبوٹ

جلد ہی ٹی وی پر خبریں پڑھے گا۔ اس انسان نما روبوٹ میں دنیا کا سب سے جدید کمپیوٹر پروگرامنگ سسٹم نصب ہے جو اسے گفتگو کے قابل بناتا ہے۔ ہیروشی کا کہنا ہے کہ اس میں اعلیٰ درجے کا شعور موجود ہے۔ اس روبوٹ کی گفتگو میں تاثرات شامل ہیں۔ اس کے چہرے پر ۱۴/انفرا ریڈ سینسر لگے ہوئے ہیں۔ یہ روبوٹ لوگوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ ان کے چہرے کے تاثرات کو سمجھ سکتا ہے، سوچتا ہے، سوالات کے جواب دیتا ہے، بھنوؤں کو حرکت دے سکتا ہے۔ اس میں ہوا کی مدد سے چلنے والی موٹریں لگی ہیں جو چہرے کے تاثّرات کو اُبھارتی ہیں۔ غرض 'اریکا' روبوٹ ٹکنالوجی کا شاہکار ہے۔

سب سے زیادہ حیران کرنے والا روبوٹ ایڈن برگ کے سائنس دانوں نے بنایا ہے۔ اس کی شکل خوفناک دیو جیسی ہے۔ یہ روبوٹ تقریباً چھے مربّع میٹر جگہ گھیرتا ہے اور اپنے چاروں طرف بکھرے پرزوں کو جوڑ کر پوری بس بنا دیتا ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے سائنس دانوں نے ایسے روبوٹس تیار کیے ہیں جو جراثیم اور وائرس کی جسامت کے ہیں جنھیں آپریشن کے لیے استعمال کیا جاسکے گا۔ یہ ننھے روبوٹس رگوں میں داخل ہوکر بند شریانیں کھولنے سے لے کر جسم کے اندرونی حصّوں کی مرمّت تک کرسکیں گے۔ یہ انسانی جسم کے اندرونی ماحول میں بہتر طور پر حرکت کرسکیں گے اور ضرورت پڑنے پر اپنی شکل تبدیل کرسکیں گے۔ انھیں 'مائیکرو روبوٹ' کا نام دیا گیا ہے۔

آسانی کے پیشِ نظر دنیا میں روز بہ روز روبوٹ کا استعمال بڑھتا جارہا ہے۔ براعظم ایشیا میں اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ روبوٹ استعمال ہوتے ہیں جو پچاس فیصد ہیں۔ ایشیا کے ممالک میں صرف جاپان چالیس فیصد روبوٹ کا استعمال کرتا ہے جبکہ یورپ میں بتیس فیصد، شمالی امریکہ میں سولہ فیصد، دو فیصد آسٹریلیا اور دوسرے ممالک استعمال کرتے ہیں۔

روبوٹ کی قسمیں مسلسل بڑھتی جارہی ہیں جس سے انسانی زندگی میں بہت سی سہولتیں پیدا ہورہی ہیں لیکن یہ سہولتیں آگے چل کر آدمی کو ضرورت سے زیادہ آرام پسند اور کاہل نہ بنا دیں اور اس کی قوتِ عمل کو سلب نہ کرلیں اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

معانی و اشارات

مصنوعی – انسان کا بنایا ہوا، جو قدرتی نہ ہو

قوتِ عمل – عمل کی قوت

سلب کرنا – چھین لینا

انفرا ریڈ سینسر – زیریں سرخ محاس (زیریں سرخ شعاعوں کی مدد سے کسی مادّے میں تبدیلی یا عمل محسوس کرنے والا آلہ)

مشقی سرگرمیاں

➢ 'جان پہچان' کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

محمد خلیل

- ابتدائی تعلیم ____
- اعلیٰ تعلیم ____
- مادری زبان ____
- مدیر ____

➢ سبق کے حوالے سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

نوجوان کا نام		اٹلی کا سائنس داں	
استاد کا نام		اپاہج افراد کا روبوٹ	
ملازمہ کا نام		جاپانی سائنس داں	

➢ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ تھامس کو اپنے استاد البرٹ کے گھر پر کس بات کی حیرانی ہوئی؟
۲۔ تھامس نے عورت کی پٹائی کیوں کی؟
۳۔ البرٹ کا تیار کردہ روبوٹ کیسا تھا؟
۴۔ لیونارڈو دا وِنچی کے روبوٹ کی کیا خوبی تھی؟
۵۔ روبوٹ کس کی مدد سے کام کر رہے ہیں؟
۶۔ روبوٹ کی قسمیں بڑھنے سے متعلق مصنف نے کس تشویش کا اظہار کیا ہے؟

➢ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ سائنس دانوں کی کوششوں سے کون سی قسموں کے روبوٹ وجود میں آئے؟
۲۔ تجارت اور صنعت کے شعبوں میں روبوٹ کون سے کام انجام دے رہے ہیں؟
۳۔ سائنس دانوں کے مطابق آنے والے دنوں میں روبوٹ کیسے ہوں گے؟
۴۔ ایریکا روبوٹ کے بارے میں کیا معلومات دی گئی ہے؟

➢ **مفصل جواب لکھیے۔**

۱۔ مختلف ملکوں کے روبوٹ سے متعلق تفصیل سے لکھیے۔
۲۔ کسی مخصوص کام کے لیے بنائے گئے روبوٹ میں کون سی خامیاں ہیں؟

تلاش و جستجو

➢ **درج ذیل جملے کس نے کس سے کہے، لکھیے۔**

۱۔ ”تمھارا استاد لائبریری میں تمھارا انتظار کر رہا ہے۔“
۲۔ ”او بے وقوف! تم نے میری تین سال کی محنت برباد کر دی۔“

➢ **شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔**

سبق میں آئے ملکوں کے نام

➢ **ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔**

آئندہ برسوں میں روبوٹ کے ذریعے ہونے والے گھریلو کام

➢ **ملکوں/شہروں کے نام کے سامنے روبوٹ کی خصوصیات تفصیل سے لکھیے۔**

۱۔ سینٹ پیٹرز برگ ۲۔ ہنگری
۳۔ جاپان ۴۔ ایڈن برگ

➢ **”روبوٹ سے انسانی زندگی میں بہت سی سہولتیں پیدا ہو رہی ہیں لیکن یہ سہولتیں آگے چل کر آدمی کو ضرورت سے زیادہ آرام پسند اور کاہل نہ بنا دیں اور اس کی قوتِ عمل کو سلب نہ کر لیں۔“ اس سے متعلق اپنی رائے لکھیے۔**

زورِ قلم

۱۔ ’سائنس کی کرشمہ سازیاں‘ عنوان پر مضمون تحریر کیجیے۔
۲۔ ’سائنس - رحمت ہے یا زحمت‘ عنوان پر دس جملوں میں اپنی رائے لکھیے۔

خود آموزی

انٹرنیٹ سے جنوبی کوریا کے ’اوٹو‘، فرانس کے ’ناؤ‘ اور ہانگ کانگ کے ’صوفیا‘ نامی روبوٹس کے متعلق معلومات حاصل کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ

مسلمان سائنس داں اور ان کی ایجادات سے متعلق معلومات انٹرنیٹ سے حاصل کیجیے اور البم تیار کیجیے۔

NNQZ6A

۱۱۔ دادی امّاں مان جاؤ

اَنیس اعظمی

پہلی بات : تعلیم کا اصل مقصد انسان کی کردار سازی اور شخصیت سازی ہے۔ بدقسمتی سے اسے روزگار حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ لیا گیا تھا۔ پرانے زمانے میں لڑکیوں کو یہ سوچ کر تعلیم سے محروم رکھا جاتا تھا کہ انھیں تو چار دیواری میں رہ کر صرف گھر سنبھالنا ہے۔ حالانکہ ایک تعلیم یافتہ عورت اپنے گھر کو سلیقے سے سنبھال سکتی ہے۔ موجودہ زمانے میں تعلیمِ نسواں کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔ ذیل کے ڈرامے میں اسی خیال پر زور دیا گیا ہے۔

جان پہچان : معروف ڈراما نگار انیس اعظمی یکم جولائی ۱۹۵۵ء کو جیراج پور، اعظم گڑھ کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کالج، دلّی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ڈراما تھیٹر سے وابستہ ہوگئے۔ انھوں نے کئی ڈرامے، نکڑ ناٹک اور ٹی وی سیریل لکھے۔ بچوں کے لیے بھی کئی کتابیں تصنیف و ترجمہ کی ہیں۔ انیس اعظمی نے نو برسوں تک نیشنل اسکول آف ڈراما میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہ اُردو اکیڈمی دلّی کے سکریٹری بھی رہے ہیں۔ انیس اعظمی کے ڈراموں کا مجموعہ 'جلوس' شائع ہو چکا ہے۔ اُتر پردیش اور مغربی بنگال اُردو اکیڈمیوں نے انھیں انعامات سے نوازا۔

کردار

دادی امّاں	-	عمر پچھتّر سال	امّاں	-	عمر پینتالیس سال
ثمینہ	-	بڑی بیٹی، عمر پندرہ سال	تہمینہ	-	منجھلی بیٹی، عمر بارہ سال
روبینہ	-	چھوٹی بیٹی، عمر آٹھ سال	کام والی	-	ایک مراٹھی عورت
مہرو	-	لڑکیوں کی پھوپھی			

منظر

(پردہ اُٹھتا ہے)

(گھر کا کھلا آنگن، آنگن کے بعد بڑا سا دالان، دالان کی داہنی دیوار کے سہارے گاؤ تکیے سے ٹکی ہوئی دادی امّاں چھالیا کاٹ رہی ہیں۔ پان سے بھرا منہ چل رہا ہے۔ صبح سات سوا سات بجے کا وقت ہے۔ گھر کے سب لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ دالان کی بائیں جانب امّاں اسٹو پر چائے بنا رہی ہیں۔ ان کے سامنے برتن پھیلے ہوئے ہیں۔ دالان کے درمیانی حصے میں ثمینہ اسکول کا بستہ درست کر رہی ہے۔ تہمینہ بھی اسکول جانے کی تیاری میں مشغول ہے۔ قریب ہی اس کا بستہ رکھا ہے اور وہ جوتے پالش کر رہی ہے۔ تیسری بیٹی روبینہ جس کے بال کھلے ہوئے ہیں، اس نے اسکول یونیفارم پہن رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بڑا سا کنگھا ہے اور وہ اپنی ماں سے لگ کر بیٹھی ہے)

دادی : اری ثمینہ بیٹی دیکھو، میری چھالیا ختم ہوگئی ہے۔ ذرا لپک کے بنِ کی دکان سے ایک روپے کی چھالیا تو لے آ۔

ثمینہ : دادی تمھیں تو پتا ہے کہ ابا نے میرا دکان پر اور بازار میں جانا بند کرا دیا ہے۔ پھر اب ایک روپے کی چھالیا بھی تو نہیں ملتی۔

دادی : اری آگ لگے اس مہنگائی کو، تہمینہ کہاں ہے، اسی سے منگوا لیتی ہوں۔

تہمینہ : دادی، مجھے اسکول کے لیے دیر ہو رہی ہے۔تم روبینہ سے منگا لو۔

دادی : اری بیٹا روبینہ، ذرا ابن کی دکان سے ایک روپے کی چھالیا تو لے آ۔

روبینہ : دادی، مجھے بھی تو اسکول جانا ہے۔کسی اور سے منگوا لو۔ (اماں سے) اماں، میری چوٹی باندھ دو نا، دیر ہو رہی ہے۔

دادی : اری کم بختو، تمھارا ناس جائے۔ اے تمھارے باوا نے تو تینوں کا داخلہ کرا دیا اسکول میں، ایک بھی میرے کام کی نہ رہی۔ جسے دیکھو اسکول بھاگی جا رہی ہے۔ ارے، اسکول میں ذرا سی دیر ہو جائے گی تو کون سی قیامت آ جائے گی۔

امّاں : روبینہ، تو لپک کے لے آ دادی کی چھالیا۔

روبینہ : اماں، اتنی دیر سے کہہ رہی ہوں، میری چوٹی باندھ دو۔کوئی سنتا ہی نہیں۔

امّاں : ارے ثمینہ، جلدی سے اس کی چوٹی تو باندھ دے۔

ثمینہ : اماں، مجھے دیر ہو رہی ہے اور ابھی کپڑے بھی پریس کرنے ہیں۔ دیر سے اسکول پہنچنے پر سزا ملتی ہے۔

دادی : (غصّے سے) ستیاناس ہو اس پڑھائی کا! اری کیا ملے گا اس سے (تینوں کو گھورتے ہوئے) جسے دیکھو اسکول، اسکول، اسکول۔ آنے دو تمھارے باپ کو۔

امّاں : ثمینہ، ذرا اوپر جا کر اپنے ابا کو تو اُٹھا دے۔

ثمینہ : میں نہیں جا رہی۔ ایک تو اُٹھتے نہیں، اُٹھتے ہیں تو ڈانٹنے لگتے ہیں۔

دادی : اری، یہی پڑھتی ہو اسکول میں، اپنے گھر میں اپنے ہی باپ کی برائی! بیڑا غرق ہو جائے تمھارا۔

روبینہ : امّاں، اتنی دیر سے کہہ رہی ہوں، میری چوٹی باندھ دو نا۔

امّاں : دیکھ، میں ناشتہ بنا رہی ہوں (آلو چھیلتے ہوئے) او ثمینہ، اس کی چوٹی باندھ دے۔ اری سن رہی ہے یا کان بہرے کر رکھے ہیں۔

ثمینہ : بس سب میرے پیچھے پڑ جاؤ۔ اللہ کسی کو بڑی بیٹی نہ بنائے۔

روبینہ : اور چھوٹی بیٹی بھی نہ بنائے ... باجی میری چوٹی بنا دو ...

دادی : (امّاں کی طرف دیکھتے ہوئے) اے دلھن، اب ثمینہ کو بھی گھر بٹھا لو، جب اس کا دکان پر جانا بند کرا دیا تو اسکول سے بھی اُٹھا لو۔ اتنی بڑی ہو گئی پھر بھی نہ طریقہ نہ سلیقہ۔ جس گھر میں جائے گی، ہماری ناک کٹوائے گی۔

ثمینہ : جسے دیکھو میرے ہی پیچھے پڑا ہے ... ابھی دسویں جماعت میں گئی ہوں۔ ابھی سے گھر بٹھا لو مجھے۔

دادی : اری تو تو بڑی کلّے دراز ہو گئی ہے، ناس پِٹی۔ اُٹھنے دے تیرے باوا کو۔ آج

سبق سکھوا کے چھوڑوں گی۔ گز بھر کی زبان ہوگئی ہے۔

روبینہ : امّاں، میری چوٹی باندھ دونا۔

امّاں : ثمینہ، دیکھ... تجھ سے آخری بار کہہ رہی ہوں، اس کی چوٹی باندھ دے۔

(پیچھے کے دروازے سے کام والی داخل ہوتی ہے۔ آنگن میں کپڑوں کا ڈھیر لگا ہے۔ ایک طرف بہت سارے سنے ہوئے برتن پڑے ہیں۔ وہ ان کے پاس آ کر کھڑی ہوجاتی ہے)

کام والی : میں تمھارے گھر کا کام نئیں کرے گی۔ اتنے سارے کپڑے اور اتنے سارے برتن نئیں دھوئے گی۔

دادی : اری او مہارانی، پیسے کس بات کے لیتی ہے؟

کام والی : بس دس کپڑے دھوئے گی مَیں اور بیس برتن۔ اس سے زیادہ نہیں۔

دادی : یہ بھی اسکول کی پڑھی لکھی لگے ہے... کلّے دراز کہیں کی۔ اری ذرا شکل تو دیکھ اپنی آئینے میں۔

امّاں : دھولے بائی دھولے، کپڑے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ سب چھوٹے چھوٹے کپڑے ہیں۔

روبینہ : اے بی، دیکھنا کوئی میری چوٹی باندھ دونا۔

کام والی : تم روز یہی بولتی ہو کہ چھوٹا چھوٹا کپڑا ہے۔ کوئی چھوٹا کپڑا نہیں اور سب گندہ بھی بہت ہے۔ (ایک کپڑا اُٹھا کر) اس کا تو میل بھی نہیں چھوٹے گا۔

دادی : اے بی دلھن! دیکھنا اسے دھلے کپڑے دیا کرو دھونے کے لیے۔

امّاں : دیکھ، اکثر کم کپڑے بھی تو ہوتے ہیں۔ آج تھوڑے زیادہ ہیں۔

کام والی : تم روز ایسے ہی بولتی ہو۔

دادی : ستیاناس جائے کم بخت ماری، غارت ہو یہاں سے۔ جا، ہم دوسری بائی رکھ لیں گے۔

کام والی : اچھا، آج تو میں دھو لیتی۔ کل سے جاستی کپڑا نئیں دھوئے گی (کپڑے دھونے بیٹھ جاتی ہے) کل سے جاستی کپڑا ہوئیں گا تو اوپر سے پیسا لگے گا ہاں۔

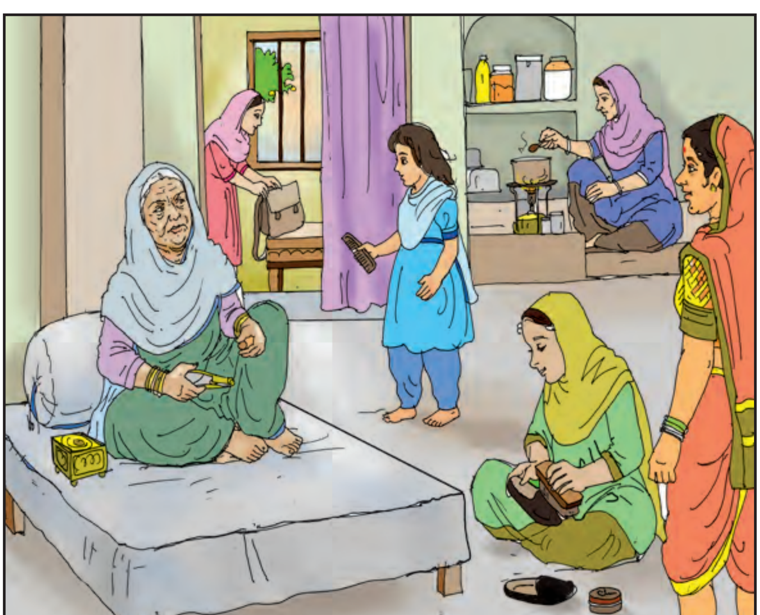

دادی : ہاں، ہمارے ہی گھر سے عمر بھر کی روٹیاں سیدھی کرنا۔

امّاں : تہمینہ، اپنے ابا کو اُٹھا دے۔ چائے بن گئی ہے۔

تہمینہ : اماں، نہ تو میرے کپڑے پریس ہوئے ہیں اور نہ ابھی تک جوتے پالش ہوئے ہیں۔ ایسے اسکول جاؤں گی تو ہماری پی ٹی میڈم ڈانٹیں گی۔

دادی : اے، کون ہے یہ ناس پیٹی ؟

تہمینہ : دادی ...ناس پیٹی نہیں ...ہماری پی ٹی میڈم۔

دادی : جانے کیا بکے جا رہی ہے؟ اری کس کا ذکر ہے، آخر پتا تو چلے۔

تہمینہ : ہمارے اسکول کی میڈم ہیں جو ہمیں پی ٹی کرواتی ہیں۔

دادی : (بات کو سمجھتے ہوئے) ناس جائے تمھارا۔ استانی نہیں کہہ سکتی۔

امّاں : (مسکراتے ہوئے) امّاں، اسکولوں میں اب استانی کو میڈم کہتے ہیں۔

ثمینہ : اور کھیل کود سکھانے والی استانی کو پی ٹی ٹیچر کہتے ہیں۔

دادی : اری چل، بڑی آئی مجھے سمجھانے والی۔ اُٹھنے دے اپنے ابّا کو آج تیرا انتظام کراتی ہوں۔ اری لڑکی، گڑ نہ دے مگر گڑ کی سی بات تو کر۔

(برقع پہنے ہاتھ میں ٹوکری لیے ایک نوجوان عورت گھر میں داخل ہوتی ہے)

مہرو : السلام علیکم امّاں۔ (مہرو دادی کے قریب جا کر بیٹھ جاتی ہے)

تینوں بچیاں: پھپھو آ گئیں، پھپھو آ گئیں۔ (مہرو کو دیکھ کر خوش ہو جاتی ہیں)

دادی : وعلیکم السلام (پیار سے مہرو کی طرف دیکھتے ہوئے) اری مہرو، خیر تو ہے بیٹا؟ صبح ہی صبح کیسے آ گئی؟ اکیلی ہی آ ئی ہو کیا؟

امّاں : اری مہرو بہن، صبح ہی صبح کیسے آنا ہوا؟ سب خیریت ہے نا؟

مہرو : اسکول کی اچانک چھٹی ہو گئی نا۔

روبینہ : پھپھو، کون سے اسکول کی چھٹی ہو گئی اور کیوں ہو گئی؟

مہرو : کوئی مر گیا ہے۔

دادی : (چہرے پر خوف طاری کرتے ہوئے) اے کون مر گیا؟ خیر تو ہے بیٹا؟

مہرو : امّاں، کسی دوسرے ملک کا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے اس لیے آج سارے اسکولوں کو چھٹی ہو گئی۔

دادی : اے، میرا تو دل دھڑک گیا کہ جانے کون مر گیا۔

روبینہ : اماں، اسکول کی چھٹی ہو گئی، تو کیا اب کوئی میری چوٹی نہیں باندھے گا؟

کام والی: کام کھتم ہو گیا۔ اب ہماری بھی چھٹی۔ اب میں جاتی۔

امّاں : ٹھیک ہے بہن، باہر کا دروازہ بند کرتی جانا۔

مہرو : چلو بھئی، اب تو اسکول کی چھٹی ہو گئی۔ یہ بستے وستے رکھو اور چین سے بیٹھو۔ اری ثمینہ، بیٹھ جا بیٹی۔

دادی : چلو دفع ہو اپنے کمرے میں، صبح سے دماغ خراب کر رکھا ہے۔

ثمینہ : (بستہ بند کرتے ہوئے) دادی، وہ تو ہمیں ہی پتا ہے کہ کس نے کس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ کوئی نہ جانے اللہ جانتا ہے۔

مہرو : کیا بات ہے ثمینہ، کیسے بول رہی ہے تو؟

ثمینہ : (سسکیاں لیتے ہوئے) پھپھو دیکھونا، ہر وقت دھمکاتی رہتی ہیں کہ آج سے تیرا اسکول جانا بند...(پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے)

مہرو : ارے ارے، تم تو رو رہی ہو۔ نہیں...شاباش...جاؤ اپنے کمرے میں۔ تہمینہ! اسے کمرے میں لے جاؤ۔

تہمینہ : (ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر) چل ثمینہ۔

(تینوں جاتی ہیں)

مہرو : (بچوں کے چلے جانے کے بعد) کیا بات ہے امّاں، بچوں پر اتنا ناراض کیوں ہو رہی تھیں؟ ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ اچھی نہیں۔

دادی : اری کام کی نا کاج کی، خالی اسکول اور پڑھائی کی۔ کیا ملے گا اس پڑھائی سے ان کو؟

مہرو : امّاں، اللہ کے واسطے ان کی پڑھائی بند مت کرانا۔ جتنا پڑھتی ہیں، پڑھنے دو۔

دادی : اری، تجھے بھی کیا ان لڑکیوں نے پڑھا دیا۔ یہ لو، ہماری بلّی ہمیں سے میاؤں۔

مہرو : میرے پڑھانے کی ذمہ داری تو تم پر تھی امّاں۔ تم نے مجھے پڑھایا ہی نہیں اور میرا دل ہی جانتا ہے کہ میں کتنی مشکل میں ہوں۔

دادی : اری کیسی مشکل؟ (دادی سنجیدہ ہو جاتی ہیں)

مہرو : عامر کے ابو نے اس کا داخلہ انگریزی اسکول میں کرا دیا ہے۔ وہ پہلی کلاس میں ہے اور میں اس کا ہوم ورک بھی نہیں کرا سکتی۔

دادی : اے، کیا نہیں کرا سکتی؟

مہرو : ارے وہ اسکول کا کام۔

امّاں : ارے، تو کوئی ماسٹر ہی رکھ لو، وہ پڑھا دیا کرے گا۔

دادی : اری، تو یہ سب کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اچھا چلو، وہ تو خیر سے لڑکا ہے لیکن ہمارے گھر میں ان تینوں لڑکیوں کا اسکول جانا مجھے بالکل پسند نہیں۔

مہرو : امّاں، خدا کے واسطے ان کی پڑھائی بند نہ کرانا۔ اگر یہ پڑھ لکھ جائیں گی تو انھیں اس مشکل سے دو چار ہونا نہیں پڑے گا جو مجھ پر بیت رہی ہے۔ اور پھر پڑھنے کے بعد یہ اپنے پیروں پر بھی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ بھابھی، پڑھی لکھی عورت اتنی بے سہارا نہیں ہوتی...

امّاں : چاہتی تو میں بھی یہی ہوں کہ یہ دسویں تک پڑھ لیں (آہستہ سے) لیکن امّاں کی مرضی نہیں ہے۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔

مہرو : بھابھی، اب دسویں پاس کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انھیں تو بی اے کراؤ، ایم اے کراؤ...ٹیچر بناؤ، نرس بناؤ۔ امّاں! ایمان سے، دیکھنا کتنے اچھے اچھے رشتے آئیں گے۔ میں بھائی جان سے بھی بات کروں گی۔

دادی : اے ہمیں نہ کرانی نوکری...دنیا کیا کہے گی؟

مہرو : امّاں، وہ میری بچپن کی سہیلی تھی نا عقیلہ...!

دادی : اے ہاں وہی نا، بے چاری کا تین چار مہینے پہلے میاں مر گیا۔ بڑا افسوس ہوا۔ جمعہ کو دلھن بنی اور ہفتے کو بیوہ ہوگئی۔ بے چاری پر بجلی ٹوٹ پڑی ہے۔ اب اسے نہ کوئی میکے میں پوچھتا ہے اور نہ سسرال میں۔ ارے اس کا میاں کیا ختم ہوا، اس کی تو دنیا ہی ختم ہوگئی۔

مہرو : امّاں، اب تمھی بتاؤ، خدا نہ کرے، خدا نہ کرے، اگر تمھاری پوتیوں کے ساتھ ایسا ہوجائے تو کہاں جائیں گی وہ؟ بھابھی، یہ جتنا پڑھتی ہیں، ان کو پڑھنے دو۔ جو عورت پڑھی لکھی ہوتی ہے، اس کے آگے اتنی مشکلیں نہیں آتیں جتنی ہم جیسوں کے آگے آتی ہیں۔ عقیلہ کی مثال تمھارے سامنے ہے۔ کہتے ہیں جس میں چمک نہیں، وہ ہیرا نہیں اور جس میں دمک نہیں وہ عورت نہیں۔ اور دمک تعلیم سے آتی ہے۔

امّاں : دیکھنا امّاں، مہرو بات تو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔

دادی : (ایک لمحہ سوچنے کے بعد اونچی آواز میں بچیوں کو پکارتے ہوئے) دیکھو لڑکیو، تمھیں جہاں تک پڑھنا ہے پڑھو۔ اب میں پڑھائی کے لیے تمھیں کبھی نہیں روکوں گی ...اور آج اسکول کی چھٹی ہوگئی تو کیا؟ بستے کھولو اور پڑھنا شروع کرو۔

(تینوں لڑکیاں گردن نکال کر جھانکتی ہیں۔ حیرت سے دادی کو اور ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں)

ثمینہ : (حیرت اور خوشی سے) دادی، کیا تم ہم سے کہہ رہی ہو؟

دادی : اری ہاں لڑکی، ہاں۔

(ثمینہ اور تہمینہ ایک ساتھ دوڑتی ہوئی آتی ہیں اور دادی سے لپٹ جاتی ہیں)

ثمینہ : دادی، دادی تم اب ہمیں اسکول جانے سے کبھی نہیں روکو گی؟

دادی : (پیار سے دونوں کو گلے لگاتے ہوئے) اری نہیں لڑکیو! نہیں روکوں گی۔

روبینہ : (کھلے ہوئے بالوں سمیت دوڑتی ہوئی آتی ہے اور دادی کے سامنے کھڑی ہوجاتی ہے) دادی، دادی کیا تم میری چوٹی باندھ دوگی؟

دادی : ہاں، پر ایک شرط ہے۔

روبینہ : کیسی شرط؟

دادی : میں روز تیری چوٹی باندھوں گی لیکن تو مجھے روزانہ ایک گھنٹا پڑھائے گی۔ بول، منظور ہے؟

روبینہ : (اچھلتے ہوئے) لو سنو، دادی مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں انھیں روزانہ ایک گھنٹا پڑھایا کروں۔

(دادی شرما کر منہ چھپاتی ہیں۔ پھر اشارے سے روبینہ کو چپ ہونے کو کہتی ہیں۔ روبینہ شور مچاتی رہتی ہے)

مہرو : اے امّاں، ایمان سے! کیا تم اس عمر میں پڑھوگی؟

دادی : اری ہاں بیٹا۔ ہرج ہی کیا ہے؟

ثمینہ : دادی اماں، روبینہ کو تو ٹھیک سے پڑھنا بھی نہیں آتا، وہ تمھیں کیا پڑھائے گی؟

دادی : (ثمینہ کو لپٹاتے ہوئے) اری ناس پیٹی! تو تُو کس دن کام آئے گی۔ آج سے تو ہی روزانہ مجھے پڑھا دیا کر ...اور اگر تیری امّاں راضی ہو تو اسے بھی پڑھا دے ...اری مہرو، تو بھی ثمینہ کی شاگردی میں آجا... کہتے ہیں صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ

آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

مہرو : امّاں، اب اس عمر میں تم کیا پڑھوگی؟

دادی : لو بوا، تیلی کا تیل جلے، مشعلچی کا دل جلے۔ (اماں کی طرف دیکھتے ہوئے) اے دلھن، تم بھی بسم اللہ کرو۔ پڑھائی میں کیسی شرم؟

مہرو : بھائی جان کو کوئی جا کر اُٹھائے اور کہے کہ اماں کے واسطے بستہ لے آئیں۔

(دادی اماں تھوڑا شرماتی ہیں۔ سب آ کر ان کو گھیر لیتی ہیں اور زور زور سے ہنسنے لگتی ہیں)

روبینہ : ارے، کوئی میری چوٹی تو باندھ دو۔

(پردہ گرتا ہے)

معانی و اشارات

آگ لگے	بربادی کی بددعا ہے (عورتوں کی زبان ہے)
ناس جائے	بربادی کی بددعا
قیامت آ جانا	بڑی مصیبت آ جانا
ناک کٹوانا	بدنام کر دینا
گز بھر کی زبان	بہت بولنے والی زبان
جاستی	زیادہ (بولی کا لفظ ہے)
کلّے دراز	زبان دراز
روٹیاں سیدھی کرنا	کمائی حاصل کرنا
گُڑ نہ دے مگر گُڑ کی سی بات تو کر	کوئی اچھا کام نہ کر سکو تو نرمی سے بول کر ہی خوش کر دو۔
ہماری بلّی، ہمیں سے میاؤں	کسی ماتحت کا اپنے اعلیٰ پر رعب جمانا
پیروں پر کھڑا ہونا	اپنی روزی آپ کمانا
بجلی ٹوٹ پڑنا	بڑی مصیبت آنا

مشقی سرگرمیاں

ڈراما کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

➤ 'جان پہچان' کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

انیس اعظمی

پیدائش ← ____

اعلیٰ تعلیم ← ____

تدریس ← ____

سکریٹری ← ____

ڈراموں کا مجموعہ ← ____

انعامات ← ____

➤ ڈراما 'دادی امّاں مان جاؤ' کا منظر پڑھ کر خاکے میں مناسب کام لکھیے۔

دادی امّاں ← ____

امّاں ← ____

ثمینہ ← ____

تہمینہ ← ____

روبینہ ← ____

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ دادی اماں بچوں کو کس کام کے لیے بار بار بولے جارہی تھیں؟
۲۔ ثمینہ نے دکان پر نہ جانے کی کیا وجہ بتائی؟
۳۔ روبینہ اور تہمینہ دکان پر کیوں نہیں جانا چاہتی تھیں؟
۴۔ دادی امّاں ثمینہ کا اسکول جانا کیوں بند کرانا چاہتی تھیں؟
۵۔ کام والی کو کس بات کی شکایت تھی؟
۶۔ کام والی نے کس شرط پر کام کرنا شروع کیا؟
۷۔ اسکول کی چھٹی کیوں ہوگئی؟
۸۔ ثمینہ مہرو پھپھو کے سامنے کیوں رونے لگی؟
۹۔ مہرو نے اپنے مشکل میں ہونے کی کیا وجہ بتائی؟
۱۰۔ مہرو نے بچوں کو کہاں تک پڑھانے کا مشورہ دیا؟
۱۱۔ دادی اماں اور روبینہ میں کیا شرط طے ہوئی؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ دادی اماں بچوں پر کیوں ناراض ہورہی تھیں؟
۲۔ مہرو نے لڑکیوں کو پڑھانے کے بارے میں کیا کہا؟
۳۔ دادی اماں لڑکیوں کو پڑھانے کے لیے کیوں تیار ہوگئیں؟
۴۔ دادی اماں کی تعلیم حاصل کرنے کی دلچسپی کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟

دادی اماں کے ان جملوں کو سیاق و سباق کی روشنی میں واضح کیجیے۔

۱۔ اری آگ لگے اس مہنگائی کو۔
۲۔ بیڑا غرق ہوجائے تمھارا۔
۳۔ ہمارے ہی گھر سے عمر بھر کی روٹیاں سیدھی کرنا۔
۴۔ اری لڑکی، گڑ نہ دے مگر گڑ کی سی بات تو کر۔
۵۔ اری کام کی نا کاج کی، خالی اسکول اور پڑھائی کی۔
۶۔ تیلی کا تیل جلے، مشعلچی کا دل جلے۔

کس نے کس سے کہا؟

۱۔ ”میری چھالیا ختم ہوگئی ہے۔“
۲۔ ”مجھے اسکول کے لیے دیر ہورہی ہے۔“
۳۔ ”جلدی سے اس کی چوٹی تو باندھ دے۔“
۴۔ ”اری او مہارانی، پیسے کس بات کے لیتی ہے؟“
۵۔ ”اسکول کی اچانک چھٹی ہوگئی نا۔“
۶۔ ”باہر کا دروازہ بند کرتی جانا۔“
۷۔ ”ہر وقت دھمکاتی رہتی ہیں کہ آج سے تیرا اسکول جانا بند۔“

بول چال

درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کے معنی واضح ہوجائیں۔

۱۔ ناس جانا ۲۔ قیامت آجانا
۳۔ ناک کٹ جانا ۴۔ گلے دراز ہونا
۵۔ بسم اللہ کرنا

تلاش و جستجو

اس سبق میں آنے والی کہاوتوں کو تلاش کرکے لکھیے۔

زورِ خطابت

تعلیمِ نسواں کے عنوان پر تقریر تیار کیجیے۔

اپنی ادا دیکھ

اس ڈرامے کو ۸/ مارچ 'یومِ خواتین' کے موقع پر اسٹیج کیجیے۔

NNZV7X

رشید حسن خاں

۱۲۔ خطوط

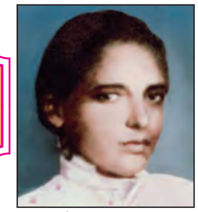

نشاط النساء بیگم

پہلی بات : ”خدا کا شکر ہے ٹرین ٹھیک وقت پر ناگپور پہنچی۔ عرفان میاں مجھے لینے اسٹیشن آ گئے ہیں۔“ سلیم صاحب نے اسٹیشن پر اُترتے ہی اپنے بخیریت پہنچنے کی اطلاع ایک میسیج کے ذریعے گھر والوں کو دے دی۔

یہ بھی ایک نعمتِ خداوندی ہے کہ ہم جدید وسائل کی مدد سے ایک دوسرے سے بہ آسانی اور فوراً رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے روبرو بات چیت سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب مسافر کے منزل پر پہنچنے کی اطلاع خط یا تار کے ذریعے کئی دنوں بعد اس کے گھر والوں کو ملتی تھی۔ اب تو خط لکھنا بیتے دنوں کی یادگار بن کر رہ گیا ہے، تاہم اس کا چلن اب بھی پوری طرح ختم نہیں ہوا ہے۔

خط کو آدھی ملاقات کہا جاتا ہے۔ خط لکھنے والا اطلاعات کے علاوہ اپنے خیالات اور احساسات کو بھی خوب صورت انداز میں محفوظ کر دیا کرتا ہے۔ خط لکھنے کے اسی انداز نے جب فن کا درجہ حاصل کیا تو خط کو ادبی حیثیت حاصل ہوئی۔ ہمارے ادب میں مرزا غالبؔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ کئی ادیبوں اور شاعروں کے خطوط کتابی شکل میں منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ذیل میں اسی قسم کے دو خطوط دیے جا رہے ہیں۔

۱ : خط

جان پہچان : نشاط النساء بیگم ۱۸۸۵ء میں موہان، ضلع اناؤ (اودھ) کے ایک معزز سادات خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد سیّد بشیر حسین موہانی حیدرآباد ہائی کورٹ میں وکیل تھے۔ انھیں مذہبی تعلیم کے علاوہ اُردو، فارسی اور عربی زبان کی تعلیم بھی دی گئی۔ ۱۹۰۱ء میں نشاط النساء بیگم کی شادی مولانا حسرتؔ موہانی سے ہوگئی۔ حسرتؔ موہانی ایک مجاہدِ آزادی اور بے باک صحافی تھے۔ مولانا حسرتؔ کی سیاسی و سماجی سرگرمیوں میں نشاط النساء بیگم ہمیشہ ان کی معاون و مددگار رہیں۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں جن خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں نشاط النساء بیگم کا نام قابلِ ذکر ہے۔

نشاط النساء بیگم کا ۱۸/ اپریل ۱۹۳۷ء کو کانپور میں انتقال ہوا۔ ذیل میں ان کا ایک خط دیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے محترم بزرگ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو لکھا تھا۔

نشاط النساء بیگم

بنگلہ سیٹھ چھوٹانی، پونہ

۲۰/ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ

جنابِ عالی ..... تسلیم! مزاجِ اقدس

گرامی نامہ ۱۳/ جمادی الثانی کا صادر ہوا۔ خیریت، مزاج و حالات معلوم کر کے اطمینان ہوا۔ مولانا کی تاکید ہے کہ جب تک میں نہ کہوں، نہ جانا۔ دوسرے یہاں میں نے سیف الرّسول (وارڈر) کی اپیل وکیل بیرسٹروں کی رائے سے ۲۲/ دسمبر کو بمبئی ہائی کورٹ میں داخل کر دی ہے۔ ممکن ہے اس پر دفعہ ۱۶۱/ رشوت والی اُڑا دی جائے تو مولانا کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ رشوت کا قصّہ بالکل لغو، جھوٹ، سراسر خلافِ قاعدہ و قانون چلایا ہے۔ ابھی تاریخ پیشی نہیں معلوم ہوئی۔ غالباً ۶/ فروری کو ہوگی۔ آخر فیصلہ ٹھیک ہوا

تو مجسٹریٹ کی صریح بے ایمانی کا راز کھل جائے گا۔

خیر! علاج برابر کر رہی ہوں۔ میرے مرض کے لیے بجائے کانپور کے پونے کی آب و ہوا ڈاکٹروں کی رائے سے مفید ہے۔ دوسرے یہ بنگلا بھی شہر سے دور بنا ہوا ہے۔ پہلے کی بہ نسبت صبح کے وقت طبیعت کسی قدر صاف رہتی ہے۔ باقی جو خدا کی مرضی؛ اس میں کسی کا کیا دخل۔ مولانا نے سلام عرض کیا ہے اور جناب قطب میاں کو خاص طور پر سلام لکھنے کی مجھے تاکید ہے، آپ اُن سے فرما دیجیے اور اس مرتبہ بھی چند تازہ غزلیات بغرضِ ملاحظہ ارسال کرنے کی ہدایت کی ہے۔

اب تک مولانا کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل کا برتاؤ نہایت سخت ہے بلکہ روزانہ کوئی نہ کوئی شرارت کرتا رہتا ہے۔ حال ہی میں مزید لغویت یہ کی ہے کہ برش، آئینہ، سرمہ، قرآن شریف رکھنے کا تختہ، حتّٰی کہ پانی کا گھڑا تک اُٹھوا لیا ہے۔ پانی کی بھی قلت ہے۔ روٹی ایک صبح کو گیہوں کی ملتی ہے، وہ بھی بند۔ جوار، باجرے کی روٹی مٹّی ملی ہوئی۔ ترکاری خراب ملتی ہے۔ سب سزائیں روزانہ اس لیے دی جاتی ہیں کہ کام کیوں نہیں کرتے۔ مگر مولانا بھی اپنی دُھن کے پکّے ہیں۔ ان کی کسی بات سے خوف نہیں۔ برابر سے مقابلہ کرتے ہیں مگر مجھے کسی قدر تردّد پیدا ہو گیا ہے۔ جب سے مجھے معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ ایک سال سے زائد قیدِ تنہائی، اس پر مزید سختیاں اور لکھنا تو درکنار، پڑھنے کے لیے ایک کتاب بھی معمولی، ان کو سنسر شدہ بھی جو گورنر کے دفتر سے واپس آتی ہیں، سپرنٹنڈنٹ نہیں دیتا۔ ان کے دماغ پر خراب اثر خدانخواستہ پڑنے لگا ہے۔ دعا فرمائیے کہ دماغی حالت صحیح رہے اور صحیح سلامت اللہ تعالیٰ اُن کو ظالموں کے ظلم سے رہا کر دے۔

نعیمہ، رضوان الحسن، سلمہ، عبدالسّمیع بفضلہٖ بخیریت ہیں اور آداب گزار ہیں۔ اُمید ہے خیریتِ مزاج سے جلد اطلاع دیں گے۔

فقط اہلیہ حسرتؔ موہانی

۲ : خط

جان پہچان : رشید حسن خاں ۱۰؍جنوری ۱۹۳۰ء کو شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے۔ وہ معروف ماہرِ لسانیات، محقق اور مدوّن تھے۔ انھوں نے کئی اہم قدیم کتابوں کی تدوین کی اور انھیں شائع کیا۔ انھوں نے اُردو اِملا، لغت، زبان و بیان کی قواعد سے متعلق اعلیٰ درجے کے مضامین لکھے۔ 'عبارت کیسے لکھیں، انشا اور تلفظ، تفہیم' اور 'تلاش و تعبیر' ان کی اہم کتابیں ہیں۔ ۲۶؍فروری ۲۰۰۶ء کو شاہجہاں پور میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ خط پروفیسر نثار احمد فاروقی (دلّی یونیورسٹی) کے نام لکھا گیا ہے۔

شاہ جہاں پور

۷؍مارچ ۱۹۹۶ء

محبی فاروقی صاحب!

آپ کا خط مرقومہ 'یومِ عید الفطر' اور دوسرا خط جس پر ۲۸؍فروری کی تاریخ مندرج ہے، مجھے کل ایک ساتھ ملے۔ اِسے ڈاک کا ادنیٰ کرشمہ کہیے، اب یہ معمول سا ہو گیا ہے۔

بھائی ! میں آپ کی نوازشِ برادرانہ کا معترف ہوں اور ممنون کہ آپ یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں۔ یہاں آتے ہی ’غربت در وطن‘ کے معنی معلوم ہوئے۔ گھر کے سبھی افراد کے پاس رہنے کی جگہ، میرے سوا، کہ میرا شمار پردیسیوں میں ہوتا رہا ہے۔ آپ اسے یوں دیکھیے کہ چار چھے دن پہلے میرا پوتا (چار سال کا) اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اب دادا ہمارے گھر رہیں گے، اپنے گھر دہلی نہیں جائیں گے؟

ساری کتابوں کے بنڈل باندھے پڑے ہیں اب تک اس لیے مجبوراً ایک کمرہ اپنے لیے بنوانا چاہا (یعنی دروازے پر ہاتھی باندھنا چاہا)۔ جوں توں کام شروع ہوگیا۔ اپنے پاس تو دستِ خالی کی لکیریں ہیں۔ آج کل وہی کام ہورہا ہے، صبح سے شام تک راج مزدوروں کے ساتھ سر کھپانا پڑتا ہے۔ خیال ہے کہ دس بارہ دن میں یہ بن جائے گا۔

یہ فضول داستان اس لیے سنائی کہ آپ یہ نہ سمجھیں آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا معاملہ ہے۔ اگر دو دن کے لیے بھی اس وقت ہٹ جاؤں گا تو کام بگڑ جائے گا۔ کفایت شعاری کے لفظ سے راج مزدور واقف نہیں اور میرا کام اصلاً اِسی کا تعارف ہے، یوں ہٹ نہیں سکتا۔

مقصد اِس ساری درازنفسی کا یہ ہے کہ اِس بار میں غیر حاضر ہی رہوں گا، یہ کوئی آخری جلسہ تو ہے نہیں اس ادارے کا اس لیے اِس کا وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی بار ضرور شرکت کروں گا۔ آپ مجھ سے متفق ہیں نا!

رشید حسن خاں

معانی و اشارات

اقدس - مقدس، پاک
گرامی نامہ - کسی بڑے کا خط
صادر ہونا - پہنچنا
لغو - جھوٹ، بے معنی، بے کار، بے ہودہ
صریح - صاف، ظاہر
ملاحظہ - مشاہدہ، دیکھنا
قلّت - کمی
تردّد - شک
معتبر - قابلِ اعتبار
سنسر شدہ - جانچ پڑتال کیا ہوا
بفضلہٖ - مراد خدا کے فضل سے
اہلیہ - بیوی
محبی - میرے دوست، میرے مشفق

مرقومہ - رقم کیا ہوا، لکھا ہوا
نوازشِ برادرانہ - بھائیوں جیسی مہربانی
معترف - اعتراف یا اقرار کرنے والا
ممنون - احسان مند، شکر گزار
غربت در وطن - وطن میں اجنبی ہونا
دست - ہاتھ
کفایت شعاری - کم خرچی
درازنفسی - مراد زیادہ کہنا، کلام کو طول دینا

مشقی سرگرمیاں

سبق کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

خط : ۱

خط کا مطالعہ کرکے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

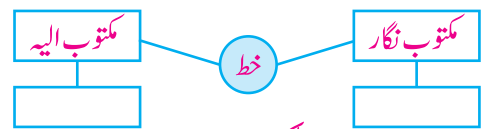

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ بمبئی ہائی کورٹ میں اپیل کرنے سے مولانا کو کیا فائدہ ہوگا؟
۲۔ ڈاکٹروں نے نشاط النساء بیگم کو کیا رائے دی؟
۳۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کی شرارتوں کا مولانا کی صحت پر کیا اثر ہوا؟
۴۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کی شرارتوں پر نشاط النساء بیگم کو کس بات کی تشویش تھی؟
۵۔ نشاط النساء بیگم نے مکتوب الیہ سے کس بات کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی تھی؟
۶۔ مولانا حسرت موہانی نے بیگم موہانی کو کس بات کی ہدایت کی؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ مولانا حسرتؔ موہانی کی رہائی کے سلسلے میں نشاط النساء بیگم نے کون سی کوششیں کیں؟
۲۔ جیل سپرنٹنڈنٹ مولانا کے ساتھ کون کون سی شرارتیں کرتا رہتا تھا؟
۳۔ نشاط النساء بیگم نے مکتوب الیہ کو اپنی صحت اور پونہ سے متعلق کون سی باتیں لکھی ہیں؟
۴۔ جیل میں مولانا پر کیا کیا ظلم کیے گئے؟

غور کرکے بتائیے۔

وجہ لکھیے۔

۱۔ بیگم حسرتؔ موہانی کانپور کی بجائے پونہ میں رہ رہی ہیں۔
۲۔ بیگم حسرتؔ موہانی نے مولانا کی تازہ غزلیں اصلاح کے لیے ارسال کیں۔
۳۔ جیل سپرنٹنڈنٹ ہر روز مولانا کے ساتھ شرارتیں کرتا تھا۔

خط : ۲

'جان پہچان' کی مدد سے ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

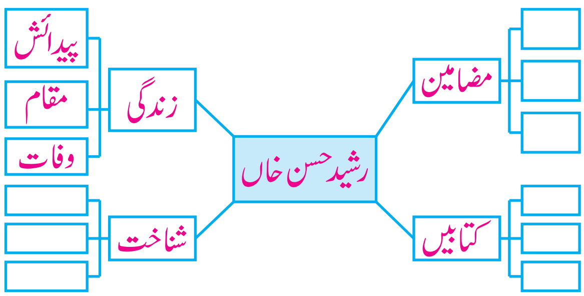

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ فاروقی صاحب نے مصنف کو کب خط لکھا؟
۲۔ مصنف کو غربت در وطن کا احساس کیوں ہوا؟
۳۔ مصنف نے فاروقی صاحب کا کس بات کے لیے شکریہ ادا کیا؟
۴۔ مصنف کی صبح سے شام کس طرح ہو رہی ہے؟
۵۔ مصنف نے فاروقی صاحب کو اپنی داستان کیوں سنائی؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ مصنف نے جلسے میں حاضر نہ ہونے کی کیا وجہ بتائی؟
۲۔ مصنف کو علیحدہ کمرہ بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

درج ذیل خاکہ مکمل کیجیے۔

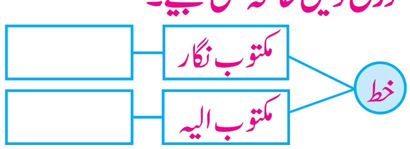

وسعت میرے بیان کی

"اپنے پاس تو دستِ خالی کی لکیریں ہیں۔" اس جملے کی وضاحت کیجیے۔

➢ **درج ذیل جملے کی وضاحت کیجیے۔**

"کفایت شعاری کے لفظ سے راج مزدور واقف نہیں اور میرا کام اصلاً اسی کا تعارف ہے۔"

تلاش و جستجو

➢ **خطوط سے کہاوتیں تلاش کر کے لکھیے۔**

➢ **خطوط سے محاورے تلاش کر کے لکھیے۔**

خود آموزی

۱۔ ایسی پانچ مشہور شخصیات کے نام لکھیے جنھوں نے جیل سے خطوط لکھے ہیں۔

۲۔ جیل میں قید کے دوران مولانا ابو الکلام آزاد نے بہت سارے خطوط لکھے ہیں۔ یہ خطوط 'غبارِ خاطر' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کیجیے اور اپنی پسند کا ایک خط نقل کیجیے۔

۳۔ پیغام رسانی کے جدید وسائل پر پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔

۴ آپ کے اسکول میں ہونے والی ثقافتی سرگرمیوں سے متعلق اپنے چچازاد/ ماموں زاد/ خالہ زاد بھائی - بہن کو خط لکھیے۔

سیدھی بات

خط کے متن کے حوالے سے جملے درست کر کے لکھیے۔

۱۔ قلّت پانی کی بھی ہے۔

۲۔ خراب ترکاری ملتی ہے۔

۳۔ دست خالی کی لکیریں تو اپنے پاس ہیں۔

۴۔ راج مزدور واقف نہیں کفایت شعاری کے لفظ سے۔

اضافی معلومات

مولانا عبدالباری فرنگی محلّی

مولانا عبدالباری فرنگی محلّی کی ولادت ۱۸۷۸ء میں فرنگی محل، لکھنؤ میں ہوئی۔ وہ اپنے زمانے کے جید علما اور مدرّسین میں سے ایک تھے۔ انھوں نے مولانا شاہ عبدالباقی فرنگی محلّی اور مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی سے تعلیم حاصل کی۔ انھیں تمام درسی کتب پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ ان کی کوششوں سے فرنگی محل، لکھنؤ میں مدرسہ نظامیہ میں احیائے اسلام کے لیے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ وہاں درس و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ بعد میں ان کی پوری توجہ قرآن و حدیث کی تدریس کی طرف ہوگئی۔ وہ اپنے گھر میں 'مثنوی مولانا روم' کا درس دیتے تھے جس میں بڑے بڑے فضلا اور عوام شرکت کرتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر انھی کے شاگرد تھے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلّی نے ۱۹۲۰ء میں پہلی بار مہاتما گاندھی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ قائد قرار دیا تھا۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد اور تحریکِ آزادی سے مسلمانوں کو جوڑنے کے قائل تھے۔ ۱۵/جنوری ۱۹۲۶ء کو فالج کے حملے کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا۔

نثار احمد فاروقی

نثار احمد فاروقی ۲۹/ جون ۱۹۳۴ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ گھر میں عربی، فارسی، اُردو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کیا اور وہیں عربی کے پروفیسر اور بعد میں صدر شعبۂ عربی منتخب ہوئے۔ ان کو فارسی اور عربی زبان کی خدمت کے لیے کئی اعزازات سے نوازا گیا۔ ان کو پنجابی، انگریزی، ہندی اور اُردو زبانوں پر بھی دسترس حاصل تھی۔ ۲۸/نومبر ۲۰۰۴ء کو نئی دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

NP9R9K

ا۔ حمد

امیرؔ مینائی

پہلی بات : اچھی بات وہ ہے جو سلیقے سے کہی جائے اور بہترین بات وہ ہے جو خدائے برتر کے لیے کی جائے۔ عام طور پر شاعر اپنی شاعری کا آغاز اللہ کی تعریف، اس کی صفات کے بیان اور اس کے بارے میں گفتگو سے کرتا ہے۔ ایسی شاعری کو ’حمد‘ کہتے ہیں۔ اللہ خود بھی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کی تعریف اور حمد و ثنا کریں۔

جان پہچان : امیرؔ مینائی کا اصل نام امیر احمد تھا۔ وہ ۲۱؍فروری ۱۸۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ امیرؔ مینائی نے یوں تو شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن غزل ان کا خاص میدان ہے۔ ان کی شاعری میں زبان کی صحت اور روزمرہ کا خصوصی اہتمام ملتا ہے۔ امیرؔ مینائی پہلے نواب واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ پھر رام پور سے جڑ گئے۔ آخری وقت میں وہ حیدرآباد چلے گئے تھے۔ ’امیر اللغات‘ ان کا اہم کارنامہ ہے۔ ان کی تصانیف میں ’مِراۃ الغیب، صنم خانۂ عشق (دیوان)، نورِ تجلّی‘ اور ’ابرِ کرم‘ (نعتیہ مثنویاں) شامل ہیں۔ ۱۳؍اکتوبر ۱۹۰۰ء کو حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا۔

دوسرا کون ہے ، جہاں تو ہے
کون جانے تجھے ، کہاں تو ہے

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ
سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے

تو ہے خلوت میں ، تو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے ، میہماں تو ہے

رنگ تیرا ، چمن میں بو تیری
خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

نہ مکاں میں نہ لا مکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے

محرمِ راز تو بہت ہیں امیرؔ
جس کو کہتے ہیں رازداں تو ہے

خلاصہ : اللہ تعالیٰ کی شان کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ لاکھ پردوں کے باوجود وہ ہر جگہ پہچانا جاتا ہے۔ ہر جگہ اس کے وجود کی نشانیاں ہیں۔ پھر بھی کوئی اس کا نشان بتا نہیں سکتا۔ جلوت و خلوت میں وہ موجود ہے یعنی اس کی قدرت کہیں ظاہر ہے تو کہیں چھپی ہوئی ہے۔ ساری کائنات اُسی کی کاریگری ہے۔ ساری نشانیاں اسی کی قدرت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ہر جگہ وہ ہی وہ ہے۔ اسے شاعر نے یوں کہا ہے کہ وہی مہمان ہے اور وہی میزبان ہے۔ باغِ جہاں میں رنگ رنگ کے پھول ہیں۔ ان کو رنگ اور خوشبو اللہ کی قدرت ہی سے ملے ہیں۔ وہ نہ مکاں میں ہے اور نہ لامکاں میں ہے پھر بھی وہ سب جگہ اپنا جلوہ دِکھا رہا ہے۔

معانی واشارات

خلوت - تنہائی

جلوت - انجمن، سب کے سامنے

پنہاں - چھپا ہوا، پوشیدہ

عیاں - اعلانیہ، ظاہر

جلوہ فرما ہونا - کسی خاص انداز سے سامنے آنا

مشقی سرگرمیاں

➢ جان پہچان کی مدد سے شاعر کے شبکی خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔

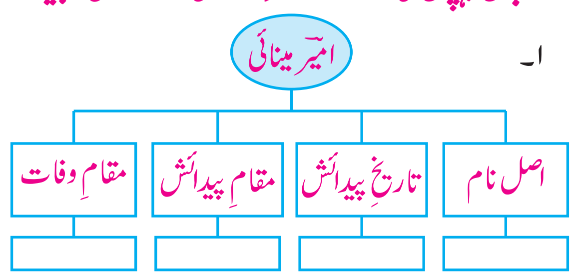

۲۔

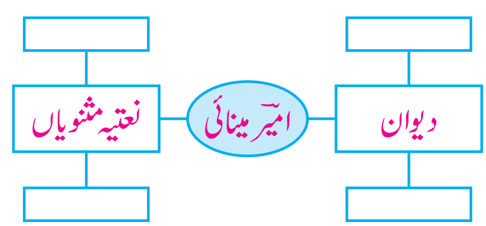

➢ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ حمد میں 'تو' سے کون مراد ہے؟

۲۔ کہیں پنہاں کہیں عیاں سے کیا مراد ہے؟

۳۔ اللہ کی نشانیاں کہاں کہاں دِکھائی دیتی ہیں؟

۴۔ 'یہاں، وہاں' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

➢ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ حمد کی روشنی میں اللہ کی صفات بیان کیجیے۔

وسعت میرے بیان کی

➢ درج ذیل شعر کا مطلب بیان کیجیے۔

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ
سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے

تلاش و جستجو

➢ حمد سے متضاد الفاظ کی جوڑیاں تلاش کر کے لکھیے۔

➢ حمد سے صنعتِ مراعاۃ النظیر کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔

➢ حمد سے قافیوں کی فہرست تیار کیجیے۔

➢ 'جس کو کہتے ہیں رازداں تو ہے' اس مصرعے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی جو صفت ظاہر ہو رہی ہے، اسے بیان کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ

۱۔ اسکول کی لائبریری سے چند مشہور لغات تلاش کر کے ان کے نام لکھیے۔

۲۔ مشہور شعرا کے حمدیہ کلام کا مطالعہ کیجیے۔

آیئے، زبان سیکھیں

مراعاۃ النظیر

یہ شعر پڑھیے۔

پتّا پتّا ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے، گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

یہاں پہلے مصرعے میں 'پتا / بوٹا' اور دوسرے مصرعے میں 'گل/ باغ' کے الفاظ آئے ہیں جن میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ پتّا بوٹے سے اور گل باغ سے مناسبت رکھتا ہے۔

جب شعر میں ایسے مناسبت رکھنے والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو ایسے استعمال کو **مراعاۃ النظیر** کہتے ہیں۔

تضاد

حمد کا یہ شعر پڑھیے۔

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے ، میہماں تو ہے

اس شعر میں الفاظ 'میزباں / میہماں' ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ شعر میں ایسے الفاظ کا لانا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں، **تضاد** کہلاتا ہے۔

اضافی معلومات

امیر اللغات

امیر احمد مینائی نے رام پور میں اپنے قیام کے دوران اُردو کی ایک جامع اور جدید لغت تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کے لیے باقاعدہ ایک دفتر قائم کرکے حوالے کی کتابیں، شعرا کے دیوان اور لغات جمع کیے گئے۔ لغت کا نام 'امیر اللغات' رکھا گیا اور ۱۸۸۹ء سے اس پر تیزی سے کام شروع کیا گیا۔ لغت کا کام پھیلتا گیا۔ امیر مینائی کو توقع تھی کہ ملک کے رئیس اس کام میں ان کی مالی مدد کریں گے مگر ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ اب ان کی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء میں بڑی تختی پر 'امیر اللغات' کی دو جلدیں شائع ہوئیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ رُک گیا۔ مسودے کی شکل میں 'امیر اللغات' کی اٹھائیس جلدیں 'فرہنگِ حامدیہ' کے نام سے رضا لائبریری (رام پور) میں محفوظ ہیں۔

NPIMB8

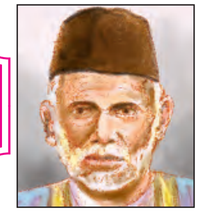

۲۔ فوجِ اعدا میں ہلچل

مرزا دبیؔر

پہلی بات : 'مرثیہ' عربی لفظ 'رثا' سے بنا ہے جس کے معنی مُردے پر رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں یعنی مرنے والے کو رونا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا مرثیہ کہلاتا ہے۔ مرثیے کی صنف عربی سے فارسی اور فارسی سے اُردو میں آئی۔ اُردو میں مرثیے کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اُردو کا سب سے اہم مرثیہ گو دکنی شاعر ملا وجہیؔ ہے۔ شمالی ہند میں، لکھنؤ میں اس صنف کو خصوصیت سے عروج حاصل ہوا اور میر انیسؔ و مرزا دبیرؔ جیسے مرثیہ گو شعرا سامنے آئے جنھوں نے مرثیوں میں واقعۂ کربلا کو نظم کرنے میں کمال حاصل کیا۔

اُردو میں عام طور پر حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی کربلا میں شہادت کے بیان پر کہی گئی نظم 'کربلائی مرثیہ' کہلاتی ہے جبکہ دیگر کسی شخص کی موت پر کہی جانے والی نظم کو 'شخصی مرثیہ' کہتے ہیں۔ انیسؔ اور دبیرؔ کے مرثیے اُردو شاعری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

جان پہچان : مرزا سلامت علی دبیرؔ ۲۹/اگست ۱۸۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ سات سال کی عمر میں والد کے ساتھ لکھنؤ منتقل ہوگئے۔ انھیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ وہ میر مظفر حسین ضمیرؔ کے شاگرد ہوئے۔ انھوں نے بہ کثرت مرثیے لکھے جو کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک مرثیہ بغیر نقطوں کا بھی لکھا ہے۔ ۶/مارچ ۱۸۷۵ء کو لکھنؤ میں اُن کا انتقال ہوا۔

جب رن میں ابنِ شیرِ خدا حملہ ور ہوا باہر نیام سے سرِ تیغِ دو سر ہوا
چِلّایا آفتاب ، وہ شق القمر ہوا آیا جو پیشِ تیغ وہ زیر و زبر ہوا
مولا بڑھے جو تیغ دو پیکر کو تول کر
روحُ الامیں سپر ہوئے شہپر کو کھول کر

صحرا سے شیر بھاگ گئے سوئے کوہسار قول و قرار کو نہ رہی طاقتِ قرار
اسواروں پر اجل کا پیادہ ہُوا سوار پسپا ہوئے پیادے تو پرزے رسالہ دار
بھاگے نیامِ قبضۂ شمشیر چھوڑ کر
رن سے چلی کہاں کو کماں تیر چھوڑ کر

یہ برقِ تیغ ملنے کو جس فرق پر جھکی واں نقدِ دل جلا تو اِدھر جنس جاں پُھکی
سمجھا تھا سر کو خود پہ ، کاندھے پہ وہ رکی گردن پکاری ، دیکھ ، یہ سینے پہ جاچکی
تاروں کے دل پہ خنجر خوفِ اَجل لگا
گاوِ زمیں کی شاخ میں سو بار پھل لگا

بادِ اجل میں فتنہ گروں کو اُڑا دیا چھوٹا جو زاغِ تیر ، پروں کو اُڑا دیا
پاؤں کو کاٹا اور سروں کو اُڑا دیا شکلِ غبار کینہ وروں کو اُڑا دیا

اس کو جو سرکشی نہ کسی کی خوش آتی تھی
سر کو گرا کے ، خاک میں تن کو ملاتی تھی
افلاک ڈر سے تیغ کے ، تھرا کے رہ گئے — گرنے کو سرزمین پہ ، تیورا کے رہ گئے
سردارِ شام ، تیغ کو چمکا کے رہ گئے — نے لڑ سکے ، نہ بڑھ سکے ، شرما کے رہ گئے
سورج کی شکل خوف سے بد روپ ہوگئی
روپوش اس کے پرتوے سے دھوپ ہوگئی

خلاصہ : کربلا کے میدان میں حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت حسینؓ نے تلوار لے کر دشمنوں پر حملہ کیا۔ آپ کی دو دھاری تلوار کے بے نیام ہوتے ہی سورج بول اُٹھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ جو بھی دشمن اس کے سامنے آیا، تباہ ہوگیا۔ حضرت حسینؓ تلوار لے کر آگے بڑھے تو حضرت جبریلؑ اپنے پر کھول کر اُن کی ڈھال بن گئے۔ ایسا ہنگامہ بپا ہوا کہ شیر صحرا کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ کسی کو کسی سے بات کرنے کا موقع نہ تھا۔ موت کا پیادہ دشمن سواروں پر غالب آ رہا تھا۔ پیادے اور سوار سب کی جان پر بن آئی تھی۔ ایسی افراتفری مچی کہ میان تلوار سے اور کمان تیر سے بچھڑ گئی۔ حضرت حسینؓ کی تلوار جس سر کی طرف لپکتی، دِل جل اُٹھتے، جان دہک اُٹھتی۔ دو دھاری تلوار زرہ، سر، گردن اور سینوں کو چیرتی چلی جاتی۔ آسمان میں تارے موت کے خوف سے تھرا گئے۔ گاوِ زمین بھی بار بار زخمی ہوئی۔ موت کی ایسی ہوا چلی کہ فتنہ گروں کو اُڑا دیا۔ کمان سے تیر چھوٹا تو دشمن کی صفیں اُلٹ گئیں۔ کسی کا پاؤں، کسی کا سر اُڑا۔ موت کی ہوا سے کینہ ور غبار کی صورت اُڑ گئے۔ اِس تلوار کو سرکشی پسند نہ تھی لہٰذا اس نے سروں کو خاک میں ملا دیا۔ تلوار کے ڈر سے افلاک ایسے تھرا اُٹھے کہ قریب تھا کہ غش کھا کر زمین پر آ گریں۔ شام والوں کے سردار اپنی تلواریں چمکا کر رہ گئے۔ نہ لڑ سکے، نہ بڑھ سکے۔ اس ہنگامے سے سورج خوف سے پیلا پڑ گیا۔ سورج کے پرتو سے دھوپ غائب ہوگئی۔

معانی و اشارات

اعدا	-	عدو کی جمع، دشمن
رَن	-	جنگ کا میدان
شیرِ خدا	-	خدا کا شیر، حضرت علیؓ کا لقب
ابنِ شیرِ خدا	-	حضرت علیؓ کا بیٹا، مراد حضرت حسینؓ
نیام	-	تلوار رکھنے کی میان، تلوار کا غلاف
تیغ دوسر	-	دو دھاری تلوار
شق القمر	-	چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا
زیر و زبر ہونا	-	الٹ پلٹ ہو جانا، تباہ ہو جانا
روح الامیں	-	حضرت جبریلؑ کا لقب
سپر ہونا	-	ڈھال ہونا، حفاظت کرنا
شہپر	-	بڑے پر
فرق	-	سر
اسوار	-	سوار
اجل	-	موت
پسپا ہونا	-	شکست کھانا
رسالہ دار	-	فوجی دستے کا افسر
گاوِ زمین	-	قدیم خیال کے مطابق وہ گائے جس کے ایک سینگ پر زمین ٹکی ہوئی ہے۔
فتنہ گر	-	فساد پیدا کرنے والا، شر پسند
زاغِ تیر	-	تیر کی نوک
پروں	-	پرے کی جمع، صفیں

تیورانا - آنکھوں میں اندھیرا چھا جانا، غشی کی حالت ہونا، چکرانا

روپوش ہونا - غائب ہوجانا، چھپ جانا

پرتوا - سایہ، پرچھائیں

مشقی سرگرمیاں

نظم کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

◄ جان پہچان کی مدد سے ذیل کا شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

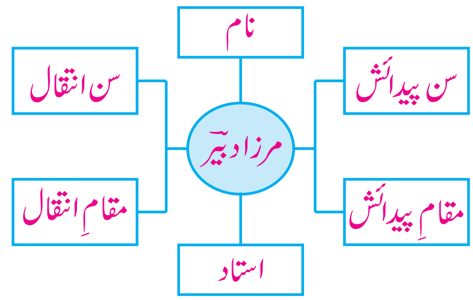

◄ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

ا۔ ابنِ شیرِ خدا سے مراد کون ہیں؟
۲۔ ابنِ شیرِ خدا کے حملہ آور ہونے کا انجام کیا ہوا؟
۳۔ میدانِ جنگ میں مولا آگے بڑھے تو کس نے حفاظت کی؟
۴۔ صحرا سے شیر کیوں بھاگ گئے؟
۵۔ رن میں تلوار کس طرح چلی؟
۶۔ تلوار کے ڈر سے افلاک پر کیا اثر ہوا؟
۷۔ سورج کی شکل کس کے خوف سے بدروپ ہوگئی؟

◄ مختصر جواب لکھیے۔

ا۔ میدانِ کربلا میں ابنِ شیرِ خدا نے شجاعت کا نمونہ کس طرح پیش کیا؟
۲۔ مرثیے کے تیسرے بند کی روشنی میں حضرت حسینؑ کی تلوار کے کارنامے لکھیے۔
۳۔ سردارِ شام صرف تیغ چمکا کے کیوں رہ گئے؟

◄ فتنہ گر اور کینہ وروں کے ساتھ ہونے والے سلوک کو بیان کیجیے۔

◄ میدانِ جنگ کی افراتفری کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

وسعت میرے بیان کی

◄ درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

ا۔ مولا بڑھے جو تیغ دو پیکر کو تول کر
روح الامیں سپر ہوئے شہپر کو کھول کر

۲۔ تاروں کے دل پہ خنجرِ خوفِ اجل لگا
گاوِ زمیں کی شاخ میں سو بار پھل لگا

۳۔ سورج کی شکل خوف سے بدروپ ہوگئی
روپوش اس کے پرتوے سے دھوپ ہوگئی

تلاش و جستجو

◄ درج ذیل الفاظ کے لیے نظم سے ایک لفظ تلاش کرکے لکھیے۔

ا۔ دودھاری تلوار ۲۔ سواری پر چڑھنے والا
۳۔ فساد پیدا کرنے والا ۴۔ دشمنی یا حسد رکھنے والا

◄ ذیل کے القاب جن کے لیے آئے ہیں، ان کے نام لکھیے۔

ا۔ ابنِ شیرِ خدا ۲۔ روح الامیں

◄ نظم سے درج ذیل معنی والے محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

ا۔ الٹ پلٹ ہونا ۲۔ اچھا لگنا، پسند آنا
۳۔ برباد کرنا، مٹی میں ملانا

◄ کربلا کے واقعے کے متعلق معلومات حاصل کیجیے۔

NPSICV

۳۔ حُزنِ اختؔر

واجد علی شاہ اخترؔ

پہلی بات : ہمارے ملک میں چند حکمراں ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے حکمرانی کے ساتھ شعر و ادب کی بھی تخلیق کی۔ ان میں سرِفہرست قلی قطب شاہ، بہادر شاہ ظفؔر اور واجد علی شاہ ہیں۔ واجد علی شاہ کو انگریزوں نے اودھ کی حکومت سے معزول کر کے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ معزولی کے زمانے میں بھی واجد علی شاہ تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف رہے۔ ذیل کی مثنوی میں انھوں نے اپنی معزولی کا احوال قلم بند کیا ہے۔

ہم ساتویں جماعت میں پنڈت دیا شنکر نسیؔم کی مثنوی 'مرغِ اسیر کی نصیحت' کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اُردو شاعری کی روایتی اصناف میں مثنوی کو اہم مقام حاصل ہے۔ مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثنوی میں اخلاقی مضامین، عشقیہ داستان، تاریخی واقعات یا کسی موضوع کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثنوی نگار ان واقعات کو بیان کرتے وقت اپنے تخیل کے سہارے کردار نگاری، واقعہ نگاری اور منظر کشی کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے۔ نظم پڑھ کر قاری اس وقت کے حالات سے بھی آگہی حاصل کرتا ہے۔ اُردو میں ابنِ نشاطیؔ کی 'پھول بن'، میر حسنؔ کی 'سحر البیان' اور پنڈت دیا شنکر نسیؔم کی 'گلزارِ نسیم' مشہور مثنویاں شمار کی جاتی ہیں۔

جان پہچان : اخترؔ کا اصل نام محمد واجد علی تھا۔ وہ ۳۰؍ جولائی ۱۸۲۲ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اخترؔ ان کا تخلص تھا۔ وہ شاہِ اودھ تو تھے ہی، شاعر اور ادیب بھی تھے۔ ڈرامے اور رہس سے ان کو خاص لگاؤ تھا۔ ڈرامے اور رہس (راس) کے لیے انھوں نے قیصر باغ میں ایک تھیٹر تعمیر کروایا تھا۔ وہاں ان کی مثنویاں اسٹیج پر کھیلی جاتی تھیں۔ ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ اخترؔ لکھنؤ چھوڑ کر مٹیا برج، کلکتہ (کولکاتا) چلے گئے۔ پھر انگریزوں نے انھیں لکھنؤ آنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ مٹیا برج ہی میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہے اور سو کتابیں تصنیف کیں۔ ۲۱؍ ستمبر ۱۸۸۷ء کو کولکاتا میں ۶۵ سال کی عمر میں واجد علی شاہ اخترؔ کا انتقال ہوا۔

یہ واجد علی ابنِ امجد علی   سناتا ہے اب داستاں رنج کی
کہ جب دس برس سلطنت کو ہوئے   جو طالع تھے بیدار ، سونے لگے
ہوا حکمِ جنرل گورنر یہ ، یار   کرو سلطنت کو خلا ایک بار
جفاکش کا شاہِ اودھ نام ہے   حکومت کا آخر یہ انجام ہے
جو وہ لاٹ ڈِلہوزی اُس وقت تھے   مضامیں انھوں نے یہ خط میں لکھے
رعایا بہت تم سے ناراض ہے   تمھاری ریاست ہے بدنام شے
رعایا نہ دیکھیں گے ہرگز تباہ   فقط نام کے تم رہو بادشاہ
مہینہ ہر اک ماہ اک لاکھ کا   ملے گا تمھیں ، کچھ نہیں شک ذرا

رزیڈنٹ جرنیل اوٹرم جو تھے　　گورنر کا خط مجھ کو وہ دے گئے
ہوا گھر میں کہرام سن کر یہ بات　　وہ دِن دوپہر ہوگئی ساری رات
وہ لائے تھے اس طرح کی ساتھ فوج　　کہ جس طرح دریا کی آتی ہے موج
یہاں جز اطاعت نہ تھا دل میں شر　　نہ تھی ایسے دن کی تو ہرگز خبر
یہ بندہ بہت اُن دنوں تھا علیل　　کہا دل نے کیا سوچوں اس کی سبیل
مرے دل میں آتا تھا ہر دم خیال　　جو ہونا تھا وہ ہوچکا کیا ملال
کہ اب میراں جی کا مہینہ رقم　　کہ جس میں ہوا حکم تھا یہ علم
وَلا بست و ہفتم تھی اُس ماہ کی　　چُھٹی سلطنت جس میں مجھ شاہ کی
اکھتّر تھے سن بارہ سو پر زیاد　　تو میری زباں سے رکھ اب اس کو یاد
وہ دن پنجشنبہ کا تھا ، اے عزیز　　نہ باقی رہی کچھ ریاست کی چیز
کہا دل نے آخر ، کروں کیا سبیل　　طبیعت کا یہ حال ہے ، ہوں علیل
سبھوں کی بس آخر یہ ٹھہری صلاح　　کرو چل کے فریاد ، ہے یہ فلاح
بلا کر عزیزوں کو میں نے کہا　　کہ رخصت میں ہوتا ہوں ، حافظ خدا
رعایا سے ، اور تھے جو میرے عزیز　　ہر اک سے کہا میں نے ، اے باتمیز
رہے جب تلک میرے سایے میں سب　　کرم سے کیا پرورش روز و شب
جو کچھ رنج پہنچا ہو ، ظاہر کرو　　دلِ خستۂ شہ کو ماہر کرو

سبھوں نے دیے راضی نامے مجھے
کہ آخر کے تھے سب کے یہ حوصلے

خلاصہ : اودھ کے حکمراں واجد علی شاہ اختؔر مثنوی 'حزنِ اخترؔ' میں اپنی معزولی کا احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں واجد علی ابنِ امجد علی اپنی داستانِ رنج وغم سناتا ہوں۔ مجھے اودھ کی سلطنت پر حکومت کرتے ہوئے دس برس گزر گئے۔ اس کے بعد میری قسمت خراب ہونے لگی۔ گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کا حکم ریزیڈنٹ اوٹرم کی معرفت ملا کہ تمھیں حکومت سے معزول کیا جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ بتائی کہ عوام تم سے ناراض ہیں۔ ہم رعایا کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ تمھیں ماہانہ ایک لاکھ روپیا وظیفہ ملے گا۔ یہ بات سن کر محل میں کہرام مچ گیا۔ رنج کی وجہ سے دوپہر رات محسوس ہورہی تھی۔ ریزیڈنٹ ایک بڑی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ جو ہونا تھا، وہ ہوچکا۔ اب اطاعت کے سوا چارہ نہیں۔ یہ ربیع الآخر کی ستائیس تاریخ کا واقعہ ہے۔ میں نے اپنے عزیزوں کو بلا کر کہا کہ میں نے اپنی حکومت کے زمانے میں سب عزیزوں اور رعایا کا پورا خیال رکھا۔ کسی کو کوئی تکلیف ہوئی ہو تو بتاؤ۔ سبھوں نے مجھ سے خوش ہونے کا اظہار کیا اور مجھے رخصت کیا۔

معانی و اشارات

طالع	قسمت	وَلا	تاریخ
خلا کرنا	خالی کرنا	بست و ہفتم	ستائیس
جفاکش	ظلم برداشت کرنے والا	زِیاد	زیادہ
لاٹ	انگریزی لفظ لارڈ	پنجشنبہ	جمعرات
مہینہ ملنا	ہر مہینے وظیفہ ملنا	دلِ خستۂ شہ	بادشاہ کا دُکھی دل
کہرام	شور، واویلا	ماہر کرنا	مراد آگاہ کرنا
سبیل	راستہ، ترکیب، حل	راضی نامہ	رضامندی کا اظہار
میراں جی کا مہینہ	ربیع الآخر کا مہینہ		

مشقی سرگرمیاں

نظم کا بغور مطالعہ کرکے درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

’جان پہچان‘ کی مدد سے مثنوی کے شاعر کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

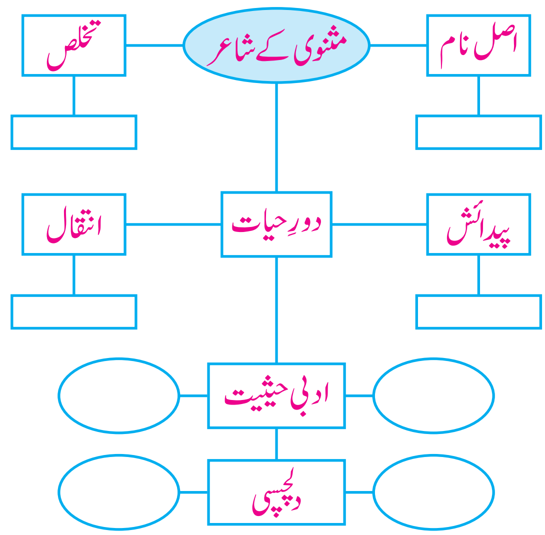

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ داستانِ رنج کون سنا رہا ہے؟

۲۔ گورنر جنرل کا کیا حکم آیا؟

۳۔ سلطنت کو خالی کرنے کا حکم گورنر جنرل نے کب دیا؟

۴۔ ڈلہوزی نے حکومت چھیننے کی کیا وجہ بتائی؟

۵۔ واجد علی شاہ نے آخر میں کیا کیا؟

۶۔ ڈلہوزی نے سلطنت کو برخاست کرنے کی کیا وجہ لکھی؟

۷۔ شاعر نے فوج کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

۸۔ ڈلہوزی نے واجد علی شاہ کے لیے کیا رعایتیں لکھیں؟

۹۔ خط پڑھنے کے بعد نواب واجد علی شاہ کے گھر والوں پر کیا اثر ہوا؟

۱۰۔ نواب صاحب نے عزیزوں سے کیا کہا؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ ڈلہوزی کا خط پڑھ کر واجد علی شاہ کیوں مایوس ہو گئے؟

۲۔ نواب واجد علی شاہ ڈلہوزی کے حکم کی اطاعت کے لیے کیوں مجبور تھے؟

تلاش و جستجو

نظم سے انگریزی الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔

نواب واجد علی شاہ کی ’سلطنت کے خاتمے کا خط‘ سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کا حکم ہوا تب...

سلطنت کو ہوئے ______

سنہ ______

مہینہ ______

تاریخ ______

دن ______

NQ2EEI

۴۔ پھول کی فریاد

شوقؔ قدوائی

پہلی بات : اس دنیا میں موجود تمام انسانوں اور چیزوں کا مقدر یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی میعاد پوری کر کے ایک دن ختم ہو جاتے ہیں۔ باغ میں کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کر ہمارا جی چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح مہکتے رہیں مگر یہ ممکن نہیں، کبھی وہ سوکھ کر مرجھا جاتے ہیں یا کوئی انھیں توڑ لیتا ہے۔ زندگی کی اسی حقیقت کو شاعر نے ذیل کی نظم میں پیش کیا ہے۔

جان پہچان : شوقؔ قدوائی کا نام شیخ احمد علی تھا۔ وہ ۱۸۵۳ء میں اُتر پردیش کے قصبہ جگور، ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بدایوں اور رام پور میں تعلیم حاصل کی۔ پرتاپ گڑھ اور بھوپال میں وہ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ شوقؔ قدوائی ایک فطری شاعر تھے جنھیں زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے زیادہ تر مثنویاں لکھیں جن میں قدرتی مناظر بہت عمدگی سے بیان کیے ہیں۔ ۲۷/اپریل ۱۹۲۵ء کو گونڈہ میں ان کا انتقال ہوا۔

کیا خطا میری تھی ظالم، تو نے کیوں توڑا مجھے
کیوں نہ میری عمر ہی تک شاخ پر چھوڑا مجھے

جانتا گر اس ہنسی کے دردناک انجام کو
میں ہوا کے گدگدانے سے نہ ہنستا نام کو

شاخ نے آغوش میں کس لطف سے پالا مجھے
تو نے مَلنے کے لیے بستر پہ ہے ڈالا مجھے

میری خوشبو سے بسائے گا بچھونا رات بھر
صبح ہوگی تو مجھے تو پھینک دے گا خاک پر

پتّیاں اُڑتی پھریں گی منتشر ہوجائیں گی
رفتہ رفتہ خاک میں مِل جائیں گی، کھو جائیں گی

تو نے میری جان لی دم بھر کی زینت کے لیے
کی جفا مجھ پر فقط تھوڑی سی فرحت کے لیے

دیکھ، میرے رنگ کی حالت بدل جانے پہ ہے
پتّی پتّی ہو چلی بے آب، مرجھانے پہ ہے

جس کی رونق تھا میں، بے رونق وہ ڈالی ہوگئی
حیف ہے، بچّے سے ماں کی گود خالی ہوگئی

تتلیاں بے چین ہوں گی جب نہ مجھ کو پائیں گی
غم سے بھونرے روئیں گے اور بلبلیں چلائیں گی

مہر کہتا ہے، مری کرنوں کی سب محنت گئی
ماہ کو غم ہے کہ میری دی ہوئی رنگت گئی

دیدۂ حیراں ہے کیاری، باغباں کے دل پہ داغ
شاخ کہتی ہے کہ ہے ہے، گُل ہوا میرا چراغ

میں بھی فانی، تو بھی فانی سب ہیں فانی دہر میں
اک قیامت ہے مگر مرگِ جوانی دہر میں

خلاصہ : اس نظم میں شاعر نے پھول کی زبانی اس کی فریاد پیش کی ہے۔ پھول کو شاخ سے توڑنے والے شخص سے پھول شکایت کر رہا ہے کہ وقت سے پہلے مجھے کیوں توڑ لیا۔ کیوں نہ مجھے شاخ پر ہی رہنے دیا تا کہ میں وہیں اپنی پوری زندگی گزارتا۔ میں اپنے اس دُکھ بھرے انجام سے واقف ہوتا تو ہرگز نہ مسکراتا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میری پتیاں اُڑتی پھریں گی اور مٹی میں مل جائیں گی۔ تو نے اپنی خوشی کے لیے مجھ پر یہ ظلم کیا۔ میری پتیاں مرجھانے لگی ہیں اور میری پہلی سی حالت نہیں رہی ہے۔ میرے بغیر پھول کی ڈالی اس طرح سُونی ہوگئی ہے جیسے بچے کے بغیر ماں کی گود خالی ہو جاتی ہے۔ مجھے ڈالی پر نہ پا کر تتلیاں اور بھونرے بے چین ہوں گے۔ چاند اور سورج نے بڑی محنت سے میری پرورش کی تھی۔ مجھے شاخ پر نہ دیکھ کر باغبان بھی حیران ہوگا۔ یوں تو اس دنیا کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے مگر کسی کو عین جوانی میں ختم کر دینا بڑا ظلم ہے۔

معانی و اشارات

آغوش	گود	ماہ	چاند
منتشر ہونا	بکھرنا	دیدۂ حیراں	حیرت سے دیکھنے والی آنکھ
جفا	ظلم	دہر	دنیا، زمانہ
حیف	افسوس	مرگِ جوانی	جوانی کی موت
مہر	سورج		

مشقی سرگرمیاں

نظم کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

جان پہچان کی مدد سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

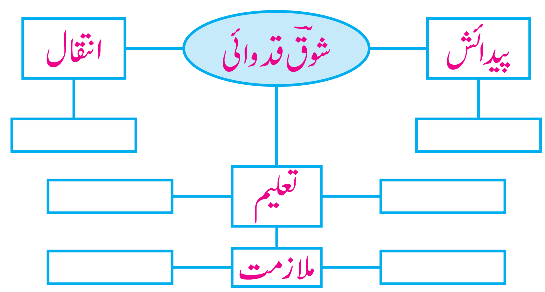

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ پھول کس بات کی فریاد کر رہا ہے؟

۲۔ پھول کی ہنسی کا دردناک انجام کیا ہوا؟

۳۔ بے آب ہونے پر پھول کی حالت کیا ہوگی؟

۴۔ پھول کے توڑ لیے جانے پر تتلیوں اور بھونروں پر کیا اثر ہوگا؟

۵۔ پھول نے توڑ لیے جانے پر کس اندیشے کا اظہار کیا؟

۶۔ پھول کے توڑے جانے پر مہر و ماہ نے کیا کہا؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ شاخ سے توڑ لیے جانے پر پھول نے اپنے درد کا اظہار کس طرح کیا؟

۲۔ پھول نے اپنی فریاد کس طرح بیان کی ہے؟

درج ذیل شعر سے محاورہ تلاش کیجیے اور اس کے معنی لکھیے۔

دیدۂ حیراں ہے کیاری ، باغباں کے دل پہ داغ
شاخ کہتی ہے کہ ہے ہے ، گُل ہوا میرا چراغ

درج ذیل شعر کی روشنی میں پھول کی فریاد لکھیے۔

جس کی رونق تھا میں ، بے رونق وہ ڈالی ہوگئی
حیف ہے ، بچے سے ماں کی گود خالی ہوگئی

نظم کی مدد سے ذیل کے الفاظ کے لیے ایک مکمل جملہ لکھیے۔

پتیاں — رنگ

ڈالی — شاخ

NQBAG6

۵۔ ماں

اخترؔ اورینوی

پہلی بات : دنیا کے تمام رشتوں میں سب سے محترم رشتہ ماں کا ہوتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے یعنی جو انسان ماں کی خدمت کرے، وہ جنت کا حقدار ہے۔ ماں کو بھی اپنی اولاد سے بے انتہا محبت ہوتی ہے۔ وہ ہر لمحہ اپنی اولاد کا خیال رکھتی ہے۔ اپنے آرام وسکون کا مطلق خیال نہیں رکھتی بلکہ اپنی اولاد کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہوتا ہے۔ ذیل کی نظم میں شاعر نے ماں کی محبت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔

جان پہچان : اخترؔ اورینوی بہار کے قصبے اورین میں ۱۹/ اگست ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ اخترؔ کو ان کے والدین نے ڈاکٹر بننے کے لیے میڈیکل کالج میں داخلہ دلوایا لیکن اچانک بیماری کی وجہ سے ان کا تعلیمی سلسلہ ٹوٹ گیا۔ بعد میں انھوں نے ایم اے کیا اور پٹنہ یونیورسٹی میں لیکچرر ہوگئے۔ اخترؔ اورینوی نے تنقید، افسانہ نگاری، ناول نگاری، ڈراما نویسی اور شاعری کے میدانوں میں کامیاب طبع آزمائی کی۔ انھوں نے تقریباً دو درجن کتابیں تصنیف کیں۔ 'انجمنِ آرزو (شاعری)، منظر و پس منظر (افسانے)، حسرتِ تعمیر (ناول)، قدر و نظر (تنقید)' وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں۔ ۳۰/ مارچ ۱۹۷۷ء کو پٹنہ میں وہ اپنے خالق سے جا ملے۔ یہ نظم 'انجمنِ آرزو' سے لی گئی ہے۔

اے کہ تیری گود میں پلتی ہے جانِ ناتواں
اس کا غم کھانا ہے تیرے واسطے آرامِ جاں

کس قدر بچے کی خاطر سختیاں سہتی ہے تو
سختیوں کے جھیلنے پر بھی مگن رہتی ہے تو

جاں چھڑکتی ہے تو اپنے لعل پر صبح و مَسا
آنچ تو' آنے نہیں دیتی کبھی اس پر ذرا

تو ہے آبِ زندگی کا چشمہ اس کے واسطے
تیرا سایہ ہے ہما کا سایہ اس کے واسطے

دور ہوجاتا ہے تجھ سے جب ترا نورِ نظر
ہجر میں بچّے کے، جلتے ہیں ترے قلب وجگر

لیتی ہے سو جان سے اس کی بلائیں بار بار
دم بدم دیتی ہے تو اس کو دعائیں صد ہزار

تیری اک نظرِ محبت ، دشمنِ رنج و الم
اے بہارِ بے خزاں ، جنّت ترے زیرِ قدم

پرورش پاتی ہے تیری گود میں انسانیت
تیری ہی آغوش میں ملتی ہے اس کو تربیت

ہیچ ہیں،کونین کی،تیرے مقابل،دولتیں
تیری ہی تعلیم سے پاتی ہیں قومیں رفعتیں

خلق کرسکتی ہے بچے میں تو قلبِ شیرِ نر
تو اگر چاہے ، بدل دے قسمتِ نوعِ بشر

خلاصہ : شاعر کہتا ہے کہ ماں کمزور ننھے بچے کی پرورش کرتی ہے۔ اس کے لیے دُکھ اُٹھاتی ہے۔ بچے کے لیے دُکھ اُٹھانے میں بھی اسے راحت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں بچے کی دیکھ بھال میں مگن رہتی ہے۔ اس پر جان چھڑکتی رہتی ہے۔ وہ خود تکلیف اُٹھاتی ہے مگر بچے کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتی۔ ماں بچے کے لیے آبِ حیات کا چشمہ ہے۔ ماں کا سایہ اس کے لیے گویا ہما کا سایہ ہے جو بچے کی تقدیر بدل دیتا ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی بچے کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی۔ بار بار بلائیں لے کر اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے۔ بار بار اس کی کامیابی کے لیے دعائیں کرتی ہے۔ ماں کی محبت کی نظر بچے کے تمام دکھ دور کردیتی ہے۔ ماں کی خدمت کا صلہ جنت ہے۔ جنت وہ باغ ہے جس کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہے۔ بچے کو انسانیت کا پہلا سبق ماں کی گود میں ملتا ہے۔ ماں کی تربیت انسان کو بلند درجوں تک پہنچاتی ہے۔ ماں وہ دولت ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی دولت ہیچ ہے۔ وہی بچے کو حوصلہ مند بناتی ہے۔ قوموں کی ترقی ماؤں کی تربیت کا ثمرہ ہوتی ہے۔

معانی و اشارات

- **جانِ ناتواں** – مراد کمزور بچہ
- **آرامِ جاں** – وہ جس سے دل کو سکون ملے
- **صبح و مسا** – صبح اور شام
- **آنچ آنا** – نقصان ہونا، چوٹ لگنا
- **آبِ زندگی کا چشمہ** – مراد جس سے بچے کو زندگی ملتی ہے
- **ہما** – ایک مشہور خیالی پرندہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔
- **ہما کا سایہ ہونا** – مراد خوش نصیبی
- **نورِ نظر** – آنکھوں کی روشنی مراد بیٹا / بیٹی
- **دم بدم** – مسلسل
- **دشمنِ رنج والم** – دکھ درد دور کرنے والا
- **بہارِ بے خزاں** – ایسی بہار جسے خزاں نہیں، مراد ماں
- **ہیچ** – کمتر، معمولی
- **کونین** – دونوں جہاں، دنیا اور آخرت
- **قلبِ شیرِ نر** – شیر جیسا دل، مراد بہادر
- **نوعِ بشر** – مراد انسان

مشقی سرگرمیاں

سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

➢ جان پہچان کی مدد سے ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

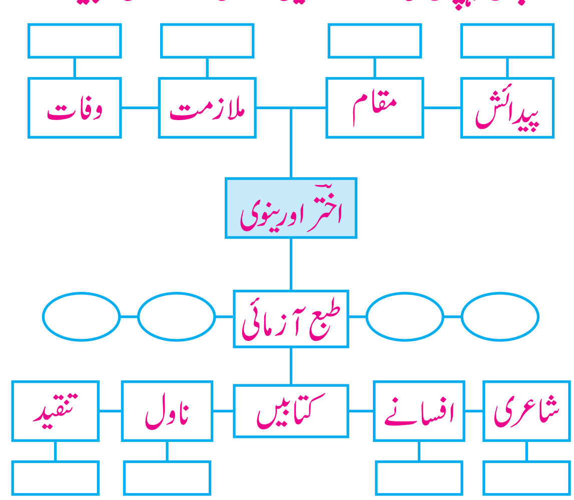

➢ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ ماں کے لیے آرامِ جاں کیا ہے؟
۲۔ ماں کس کے لیے سختیاں برداشت کرتی ہے؟
۳۔ ماں کے سایے کو کس کے سایے سے تشبیہ دی گئی ہے؟
۴۔ بچے کے دور ہونے پر ماں کا کیا حال ہوتا ہے؟
۵۔ بچے کو تربیت کہاں ملتی ہے؟
۶۔ ماں کے آگے شاعر نے کس چیز کو ہیچ قرار دیا ہے؟
۷۔ قوموں کو رفعتیں کہاں سے ملتی ہیں؟
۸۔ نظم میں شاعر نے ماں کو کن لفظوں سے مخاطب کیا ہے؟

➤ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ شاعر نے ماں کو ہما کا سایہ کیوں کہا ہے؟

۲۔ ماں کی محبت کی نظر کو دشمن رنج والم کیوں کہا گیا ہے؟

۳۔ 'تو اگر چاہے بدل دے قسمتِ نوعِ بشر' اس مصرعے کی روشنی میں ماں کی تربیت کیوں ضروری ہے؟

➤ **ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔**

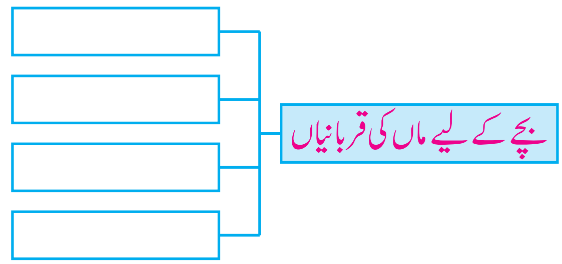

➤ **نظم میں ایک پرندے کا ذکر آیا ہے، اس پرندے کا نام لکھیے۔**

➤ **نظم سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں لکھیے۔**

➤ **'ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے' اس عنوان پر دس سطریں لکھیے۔**

➤ **درج ذیل شعر کی روشنی میں ماں کی تکلیفوں کے بارے میں لکھیے۔**

کس قدر بچے کی خاطر سختیاں سہتی ہے تو
سختیوں کے جھیلنے پر بھی مگن رہتی ہے تو

تلاش و جستجو

➤ **نظم سے محاورے تلاش کر کے لکھیے۔**

➤ **نظم سے درج ذیل الفاظ کی ضدیں تلاش کر کے لکھیے۔**

۱۔ نفرت	۲۔ بہادر
۳۔ جہنم	۴۔ نزدیک

عکس بر عکس

➤ **نظم سے تضاد کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔**

➤ **نظم سے ہم معنی الفاظ کی جوڑیاں تلاش کر کے لکھیے۔**

زورِ قلم

➤ **درج ذیل شعر کی مدد سے ماں کے اندازِ تربیت پر مضمون لکھیے۔**

پرورش پاتی ہے تیری گود میں انسانیت
تیری ہی آغوش میں ملتی ہے اس کو تربیت

NQK6HT

٦۔ دلوں میں روشنی کرو

یونسؔ قنوجی

پہلی بات : بچپن میں ہم نے خرگوش اور کچھوے کی کہانی پڑھی ہے۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم چلنا چاہیں، قدم بڑھائیں تو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے لیکن اگر ہم ہمت نہ ہاریں اور آگے بڑھتے رہیں تو سست روی اور کمزوری کے باوجود منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ منزل پانے کا جذبہ کامیابی کی ضمانت بن جاتا ہے۔ذیل کی نظم میں مصیبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود ہمت نہ ہارنے اور آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

جان پہچان : یونسؔ قنوجی کا پورا نام محمد یونس بیگ تھا۔ وہ ۱۹۲۶ء میں اُتر پردیش کے شہر قنوج میں پیدا ہوئے۔ ان کی نظمیں مشہور ہفت روزہ 'ندائے ملت' میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں قومی مسائل کو پیش نظر رکھ کر ان کے حل تلاش کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ان کے افکار اور خیالات میں ایک منظّم فکر اور صالح اقدار کی فراوانی ہوتی ہے۔ 'شعلۂ افکار' اور 'زخمِ احساس' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں یونسؔ قنوجی کا انتقال ہوا۔ ذیل کی نظم ان کے مجموعۂ کلام 'شعلۂ افکار' سے لی گئی ہے۔

بہت فریب کھا چکے بڑے الم اُٹھا چکے
ہجومِ غم میں کھو چکے تباہ حال ہوچکے
رضا پہ سر جھکا چکے نصیب آزما چکے
سکوں میں آگ لگ چکی متاعِ جاں سلگ چکی
نظر اُداس ہوچکی شکارِ یاس ہوچکی
وفا کی حد بھی ہوچکی جفا کی حد بھی ہوچکی
بس اب جفا و جور کی کلائیوں کو تھام لو
قدم بڑھاؤ دوستو

بجا کہ آج دہر میں تمھارے میرے شہر میں
فضا میں انتشار ہے غبار ہی غبار ہے
بھٹک رہی ہے زندگی پنپ رہی ہے تیرگی
مگر مجھے بتاؤ تو ذرا نظر ملاؤ تو
دلوں میں یہ ہراس کیوں نظر شکارِ یاس کیوں
تھکے تھکے ہو کس لیے بجھے بجھے ہو کس لیے
یقیں کرو کہ تم جہانِ زیست کے امام ہو
قدم بڑھاؤ دوستو

بکے ہوئے ضمیر سے دبے ہوئے خمیر سے
شعورِ آرزو نہ لو مذاقِ جستجو نہ لو
تمھاری ٹھوکروں میں ہے یہ تختِ جم ، یہ تاجِ کَے
نظر میں بجلیاں بھرو دلوں میں روشنی کرو
یہ رزمگاہِ خیر و شر ہے جانے کب سے منتظر
کہیں سے کوئی لو اُٹھے کہیں تو کوئی گل کھلے
ہوس گزیدہ شام سے سحر کا انتقام لو
قدم بڑھاؤ دوستو

خلاصہ : اس نظم میں شاعر کہتا ہے کہ ہم مشکلوں سے گزر چکے ہیں، ہم نے بہت دھوکے کھائے، بہت دُکھ سہے، غموں سے سمجھوتا کیا، نا اُمیدی کا شکار ہوئے مگر اب ظلم وستم برداشت نہیں کریں گے۔ شاعر کہتا ہے کہ آگے بڑھو اور ظلم کرنے والے ہاتھوں کو روک دو۔ یہ سچ ہے کہ آج دنیا میں شہر شہر بدنظمی پھیلی ہوئی ہے، ظلم کا غبار پھیلا ہوا ہے، راستہ دِکھائی نہیں دیتا، پاؤں تھک گئے ہیں، دل اُداس ہیں مگر ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم ان حالات کو بدل سکتے ہیں۔ بس قدم بڑھانے کی دیر ہے۔ کچھ لوگ ضرور ایسے ہیں جنھوں نے اپنا ضمیر بیچ دیا ہے، ظلم سے ہاتھ ملا لیا ہے مگر ہمیں ان سے متاثر نہیں ہونا ہے۔ اگر ہم اُٹھ کھڑے ہوں تو تخت و تاج کو ٹھوکروں سے اُڑا سکتے ہیں۔ دنیا اچھائی اور برائی کی جنگ کا میدان ہے۔ وقت یہ چاہتا ہے کہ کوئی ظلم و جبر کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو، ہمت سے قدم بڑھائے۔ جیت ہماری ہوگی اس لیے قدم بڑھاؤ۔ دنیا کے نظام کو بدل ڈالو۔

معانی و اشارات

نصیب آزمانا	–	کسی چیز کو پانے کی کوشش کرنا
متاع	–	پونجی
انتشار	–	بکھراؤ
تیرگی	–	اندھیرا
ہراس	–	خوف
بجھے بجھے ہونا	–	نا اُمید ہونا
جہانِ زیست	–	دنیا، جہاں زندہ رہا جاتا ہے
امام	–	قائد، لیڈر
جم	–	ایران کے بادشاہ جمشید کے نام کا مخفف
کَے	–	کیانی بادشاہ کیقباد کے نام کا مخفف
رزمگاہ	–	جنگ کا میدان
لَو اُٹھنا	–	چراغ جلنا، نئی بات کی ابتدا ہونا
گل کھلنا	–	روشنی ہونا، چراغ جلنا، پھول کھلنا
ہوس گزیدہ شام سے ...	}	برائی کی تاریکی کو پھیلنے سے روکنے کا اشارہ ہے۔

نظم کا بغور مطالعہ کر کے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

◄ 'جان پہچان' کی مدد سے نظم 'دلوں میں روشنی کرو' کے شاعر کا شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

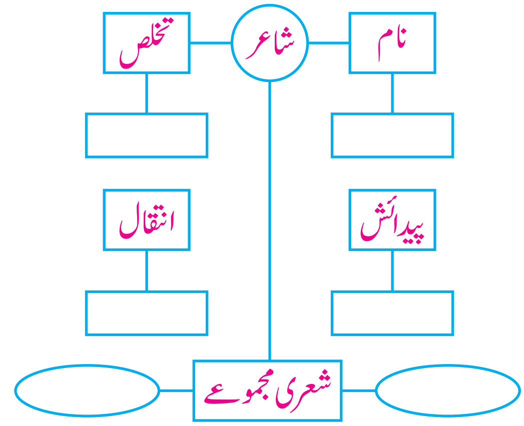

◄ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ شاعر جور و جفا کی کلائیوں کو تھام لینے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے؟
۲۔ آج میرے تمھارے شہر کا کیا حال ہے؟
۳۔ شاعر کن لفظوں میں یقین دلا رہا ہے کہ نوجوان ہی تبدیلی لا سکتے ہیں؟
۴۔ شاعر نے رزمگاہِ خیر و شر کسے کہا ہے؟
۵۔ شاعر نظم میں کس کس سے انتقام لینے کا مشورہ دیتا ہے؟

◄ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ پہلے بند میں شاعر ماضی کی کن باتوں کا تذکرہ کر رہا ہے؟
۲۔ دوسرے بند میں شاعر نے زمانے کی عکاسی کس طرح کی ہے؟
۳۔ تیسرے بند میں شاعر کن الفاظ میں حوصلہ افزائی کر رہا ہے؟

◄ **مفصل جواب لکھیے۔**

نظم کا پیغام اپنے لفظوں میں لکھیے۔

زورِ قلم

◄ ''یقین کرو کہ تم جہانِ زیست کے امام ہو'' اس مصرعے کی وضاحت کیجیے۔

◄ نظم کے آخری بند میں شاعر نے جو نصیحت کی ہے اسے اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

◄ ''ہوس گزیدہ شام سے سحر کا انتقام لو'' اس مصرعے کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

تلاش و جستجو

◄ درج ذیل الفاظ کے قافیے تلاش کر کے لکھیے۔

۱۔ اداس ⟵ ______
۲۔ دہر ⟵ ______
۳۔ انتشار ⟵ ______
۴۔ ہراس ⟵ ______
۵۔ ضمیر ⟵ ______

لغت کا استعمال

◄ نظم سے ہم معنی الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

◄ دیے ہوئے الفاظ کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے لکھیے۔

الم ، آزما ، اب ، آگ ، اداس ، انتشار ، آرزو

عکس بر عکس

◄ نظم سے متضاد الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

NQU2JG

۷۔ حقیقی زندگی

گوپی ناتھ امنؔ

پہلی بات : پانی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہتا رہے تو صاف رہتا ہے، کسی ایک جگہ ٹھہر جائے تو اس میں خرابی پیدا ہونے لگتی ہے۔ حرکت اور عمل سے انسانی زندگی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ تھک کر بیٹھ جانا یا بیکار پڑے رہنا انسان کے لیے مناسب نہیں۔ وقت کبھی رُکتا نہیں ہے اسی لیے زندگی کا سفر جاری ہے اور اسی میں جینے کا اصل مزہ ہے۔ ذیل کی نظم میں اسی خیال کو خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان : منشی گوپی ناتھ امنؔ ۱۲/اکتوبر ۱۸۹۸ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد انٹرنس کا امتحان لکھنؤ سے کامیاب کیا اور تعلیم کے دوران ہی آزادی کی تحریک سے جڑ گئے۔ اس کی پاداش میں جیل بھی گئے۔ گوپی ناتھ امنؔ نے نظمیں لکھی ہیں۔ قومی یکجہتی، ہندوستانی اخلاقیات ان کی نظموں کے موضوعات ہیں۔ 'کاروان و منزل، عقیدت کے پھول، رابندر ناتھ ٹیگور کو نذرِ عقیدت' ان کی کتابیں ہیں۔ وہ لکھنؤ کے مشہور اخبار 'تیج' کے نائب مدیر اور ماہنامہ 'آج کل' کی مجلسِ ادارت کے رکن رہے۔ ۱۹۷۷ء میں انھیں ملکی سطح کا اعزاز 'پدم بھوشن' دیا گیا۔ ۷/جولائی ۱۹۸۳ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

عبث بغیر تلاطم کے زندگانی ہے
سکوں پذیر جوانی کوئی جوانی ہے

ہے اپنی راہ ذرا مختلف زمانے سے
مدام چلنا ہی بہتر ہے ٹھہر جانے سے

وہ مر چکے جو عزیز اپنی زندگی سمجھے
وہی ہے زندہ جو مرنے کو دل لگی سمجھے

نہیں اگر کوئی سودا تو سر بھی کیا سر ہے
جو دل ہے جوش سے خالی، وہ خاک پتھر ہے

نثار ہوتے ہیں ہم اس کی بے نیازی پر
جھکے نہ سیلِ حوادث میں بھی کبھی جو سر

جو مشرقی کا تحمل ہے یا قناعت ہے
خطا معاف ہو، یہ موت کی علامت ہے

ہمیشہ آگ بھڑکتی رہے جو سینے میں
تو امنؔ لطف بھی آتا رہے گا جینے میں

خلاصہ : اس نظم میں شاعر عمل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بغیر حرکت اور ہلچل کے زندگی بے کار ہے۔ جوانی کی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتی، مصروف رکھتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اس کی راہ زمانے سے مختلف ہے۔ اس کی نظر میں لگاتار حرکت اور عمل ٹھہر جانے سے بہتر ہے۔ جنھیں زندگی بہت عزیز ہے وہ ڈر ڈر کر جیتے ہیں، زندگی کا اصل مزہ وہی جانتے ہیں جو ہمت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور موت کو دل لگی سمجھتے ہیں۔ جینے کے لیے اُمنگ اور کوئی دیوانگی ضروری ہے۔ جس دل میں جوش اور جذبہ نہ ہو وہ مٹی پتھر کی طرح ہے۔ مشرقی تہذیب میں قناعت اور برداشت پر زور دیا جاتا ہے۔ شاعر کے نزدیک یہ موت کی علامت ہے۔ خواہشات اور تمناؤں سے انسان سرگرمِ عمل رہے تو زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

معانی واشارات

عبث	-	بے کار، فضول
تلاطم	-	طوفان
سکوں پذیر	-	پُرسکون
سودا	-	جنون، دیوانگی
خاک پتھر	-	معمولی چیزیں
سَیل	-	پانی کا بہاؤ
حوادث	-	حادثہ کی جمع
سَیلِ حوادث	-	مراد بہت سے حادثے
تحمّل	-	برداشت
علامت	-	نشانی

مشقی سرگرمیاں

نظم کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

◄ جان پہچان کی مدد سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

گوپی ناتھ امنؔ

پیدائش			انتقال
کب			کب
کہاں			کہاں

◄ گوپی ناتھ امنؔ سے متعلق خاکہ مکمل کیجیے۔

- نظم کے موضوعات ←
- کتابیں ←
- اخبار ←
- ماہنامہ ←
- اعزاز ←

◄ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ مدام چلنے سے کیا مراد ہے؟

۲۔ شاعر کے نزدیک کون لوگ مرچکے ہیں؟

۳۔ شاعر کن لوگوں پر نثار ہوتا ہے؟

۴۔ شاعر نے کس فعل کو موت کی علامت کہا ہے؟

◄ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر نے تلاطم کے بغیر زندگی کو فضول کیوں قرار دیا؟

۲۔ شاعر کی رائے زمانے سے کس طرح مختلف ہے؟

۳۔ شاعر نے جوش سے خالی دل کو خاک اور پتھر کیوں کہا؟

وسعت میرے بیان کی

◄ درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ نہیں اگر کوئی سودا تو سر بھی کیا سر ہے
جو دل ہے جوش سے خالی، وہ خاک پتھر ہے

۲۔ جو مشرقی کا تحمّل ہے یا قناعت ہے
خطا معاف ہو، یہ موت کی علامت ہے

۳۔ ہمیشہ آگ بھڑکتی رہے جو سینے میں
تو امنؔ لطف بھی آتا رہے گا جینے میں

◄ ہم صوت الفاظ کی چار جوڑیاں تلاش کرکے لکھیے۔

زورِ قلم

◄ 'مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا' اس عنوان پر مضمون لکھیے۔

NR3XL4

۸۔ نغمۂ وطن

اعجاز صدیقی

پہلی بات : ہمیں اپنے والدین اور رشتہ داروں سے محبت ہوتی ہے، اسی طرح اپنے وطن سے بھی لگاؤ ہوتا ہے۔ یہ عام بات ہے کہ ہماری محبوب چیز سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہمیں خوب صورت نظر آتی ہے۔ وطن کی محبت کا بھی یہی حال ہے۔ ذیل کی نظم میں شاعر نے اپنے وطن سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے مناظر اور مقامات کو خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔

جان پہچان : اعجاز صدیقی ۱۹۱۳ء میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ وہ مشہور شاعر سیماب اکبر آبادی کے فرزند تھے۔ اپنے والد کے رسالے 'شاعر' کی انھوں نے اخیر عمر تک ادارت کی۔ انھیں اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ اعجاز صدیقی نے نوعمری ہی سے شعر گوئی کی ابتدا کی تھی۔ ان کے شعری مجموعے 'خوابوں کے مسیحا' اور 'کربِ خود کلامی' شائع ہو چکے ہیں۔ ۹ رفروری ۱۹۷۸ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

اے وطن، میرے وطن، قربان تجھ پر جان و تن

کھلکھلاتی تیری ندیاں، گنگناتے آبشار
لہلہاتے کھیت تیرے، نکہت آگیں لالہ زار

آسماں کی رفعتوں کو چھونے والے کوہسار
مست و رقصاں یہ گھٹائیں اور یہ ساون کی پھوار

ہر طرف اک کیف و مستی، ہر طرف رنگِ خمار
غنچے غنچے پر جوانی، پتّے پتّے پر نکھار

موتیوں کو اپنے دامن میں سجائے سبزہ زار
خوشبوؤں کو اپنے آنچل میں لیے صبحِ بہار

سرو و سنبل کے نظارے، یہ چناروں کی قطار
یہ بساطِ لالہ و گل، یہ ہوائے خوش گوار

تیری ارضِ حسن پر فطرت کے لاکھوں شاہکار
ذرّے ذرّے سے ترے کیفِ ازل ہے جلوہ بار

میرے سینے میں رہے ہر وقت تیری ہی لگن
اے وطن، میرے وطن، قربان تجھ پر جان و تن

تیری مٹّی سے ہوا روحانیت کا ارتقا
تو کہ اک تہذیب کا صدیوں سے گہوارہ رہا

دل کُشا تیری ہوا، تیرے مناظر جاں فزا
مختلف رنگوں میں بھی یک رنگ ہے تیری ادا

آگ تیری دولتِ دل، خاک تیری کیمیا
تجھ سے افضل تر نہیں ہے کوئی شے تیرے سوا

وہ رگ و پے کیا، نہ جس میں درد ہو تیرا بسا
زیست کا حاصل ہے تو، تو زندگی کا مدعا

تیرا پرچم عظمتِ افلاک کو چھوتا ہُوا
تیرے جادے امنِ عالم کے لیے ہیں رہنما

تیز گام و تیز رو ہے آج تیرا قافلہ
ایک دن یہ پا ہی لے گا اپنی منزل کا پتا

تیرے دیوانوں کا کم ہوگا نہ اب دیوانہ پن
اے وطن، میرے وطن، قربان تجھ پر جان و تن

خلاصہ : شاعر وطن کی محبت میں سرشار ہوکر کہتا ہے کہ اے میرے پیارے وطن ! تجھ پر اپنا جسم اور جان قربان کرتا ہوں۔ تیری ندیاں کھلکھلاتی ہیں، آبشار گنگناتے ہیں، کھیت لہلہاتے ہیں، فصلیں مہکتی ہیں۔ تیرے پہاڑ آسمان کو چھوتے ہیں، گھٹائیں ہواؤں میں اُڑتی پھرتی ہیں، ساون میں پھواریں پڑتی ہیں، کلیاں کھل جاتی ہیں، پتے نکھر جاتے ہیں۔ اس عالم میں ہر طرف خوشی کا سماں ہوتا ہے۔ سبزے پر شبنم کے موتی چمکتے ہیں۔ بہار کے موسم میں ہوائیں خوشبو لیے اُڑتی پھرتی ہیں۔ سرو وسنبل کے نظارے اور چناروں کی قطاریں خوبصورت منظر بناتی ہیں۔ چمن میں لالہ وگل کی بساط بچھ جاتی ہے۔ ہوائیں خوش گوار ہوجاتی ہیں۔ تیری حسین زمین پر فطرت کے لاکھوں شاہکار بکھرے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا دل ہمیشہ تیری محبت سے بھرا رہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں روحانیت کی ترقی ہوئی۔ ہندوستان صدیوں سے تہذیب کا گہوارہ ہے۔ یہاں کثرت میں وحدت کا رنگ ملتا ہے۔ الگ الگ مذہبوں، زبانوں، تہذیبوں کے باوجود سب ایک ہیں۔ تیری خاک ہمارے لیے سونا ہے۔ ہمارے لیے وطن دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔ جس دل میں تیری محبت نہیں وہ دل نہیں۔ ہمارا پرچم آسمان کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ ہم نے دنیا کو امن کی راہ دِکھائی ہے۔ ہمارا ملک ترقی کی راہ پر چل رہا ہے۔ وطن سے ہماری محبت کبھی کم نہ ہوگی، اس لیے ہم اپنے عزیز وطن پر دل و جان سے فدا ہیں۔

معانی واشارات

- نکہت آگیں – خوشبو سے بھرا ہوا
- لالہ زار – وہ جگہ جہاں لالہ کے پھول کھلے ہوں
- سرو وسنبل – ایک اونچا درخت اور خوشبودار بیل
- چنار – ایک اونچا درخت
- بساطِ لالہ وگل – مراد پھولوں کی چادر
- کیفِ ازل – ہمیشہ طاری رہنے والا نشہ
- جادے – جادہ کی جمع، راستے

مشقی سرگرمیاں

NRCTHR

- جان پہچان کی مدد سے شاعر سے متعلق مکمل معلومات لکھیے۔
- ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ نظم کے کس مصرعے میں ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کی طرف اشارہ ہے؟

۲۔ سبزہ زاروں کے موتیوں سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۳۔ شاعر وطن کی ہوا کو کیا کہہ رہا ہے؟

۴۔ شاعر کے دل میں ہر دم کس کی جستجو ہوتی ہے؟

۵۔ شاعر نے خاکِ وطن کو کیا کہا ہے؟

- مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر اپنے وطن کی کن چیزوں کی تعریف کر رہا ہے؟

۲۔ نظم میں آئے پھولوں اور درختوں کے نام لکھیے۔

۳۔ 'مختلف رنگوں میں بھی یک رنگ ہے تری ادا' مصرعے کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

- شاعر نے وطن کی خوبیوں کو کن لفظوں میں بیان کیا ہے؟
- شاعر کے دل میں ہر وقت وطن کی لگن کیوں رہتی ہے؟
- 'وطن کی مٹی سے روحانیت کا ارتقا ہوا' اس بات سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- شاعر نے زیست کا حاصل اور زندگی کا مدعا کس کو کہا ہے؟
- شاعر نے وطن کے پرچم کی کون سی خوبی بتائی ہے؟

تلاش وجستجو

- وطنی نظموں کی دیگر مثالیں تلاش کیجیے اور جماعت میں ترنم سے پیش کیجیے۔

۹۔ غزلیات

ڈاکٹر محمد اقبالؔ

۱۔ غزل

پہلی بات : اقبالؔ اپنی اعلیٰ پایے کی شاعری کے لیے مشہور ہیں۔ انھوں نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان میں غزل بھی شامل ہے۔ اقبالؔ کی غزلیں روایتی انداز کی ہوتی ہیں۔ ان میں اُردو شاعری کے مخصوص موضوعات کے ساتھ اقبالؔ کی فکر کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

جان پہچان : ڈاکٹر محمد اقبالؔ ۹؍نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مشن اسکول، سیالکوٹ، اعلیٰ تعلیم لاہور اور ولایت سے حاصل کی۔ جرمنی سے ڈاکٹریٹ اور لندن سے بیرسٹری کی سند لی۔ ان کی شاعری کا آغاز کالج ہی کے زمانے سے ہوگیا تھا۔ علامہ اقبالؔ نے اُردو شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔ اُس زمانے میں روایتی انداز کی غزل گوئی کی بجائے وہ نئے انداز کی نظم گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ انھوں نے اہلِ مشرق کے سوئے ہوئے ذہنوں کو جگانے اور انھیں زندہ قوم بنانے کا فریضہ انجام دیا اسی لیے انھیں 'شاعرِ مشرق' بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی شاعری کی۔ اُردو میں ان کے چار مجموعے 'بانگِ درا'، 'بالِ جبریل'، 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' کے علاوہ فارسی میں 'جاوید نامہ'، 'پیامِ مشرق'، 'اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بے خودی' شائع ہوکر مقبولِ عام ہوئے۔ ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبالؔ اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغِ چمن

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے پیرہن

برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ، اپنا تو بن

من کی دنیا: من کی دنیا سوز و مستی ، جذب و شوق
تن کی دنیا : تن کی دنیا سود و سودا ، مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن ، جاتا ہے دھن

پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے ، نہ من تیرا ، نہ تن

معانی و اشارات

لالہ	-	ایک قسم کا سرخ پھول
کوہ و دمن	-	پہاڑ اور میدانی علاقہ
مرغِ چمن	-	پرندہ، یہاں مراد بلبل
برگِ گل	-	پھول کی پنکھڑی
بادِ صبح	-	صبح کی ٹھنڈی ہوا
سراغِ زندگی	-	زندگی کی کھوج، مراد زندگی کی حقیقت
سوز	-	جلن، درد، تکلیف، دکھ
سُود	-	نفع، فائدہ
مکر وفن	-	دھوکا، فریب، چالاکی، عیاری
پانی پانی کرنا	-	شرمندہ کرنا
قلندر	-	مراد عقلمند شخص

مشقی سرگرمیاں

➤ جان پہچان کی مدد سے ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

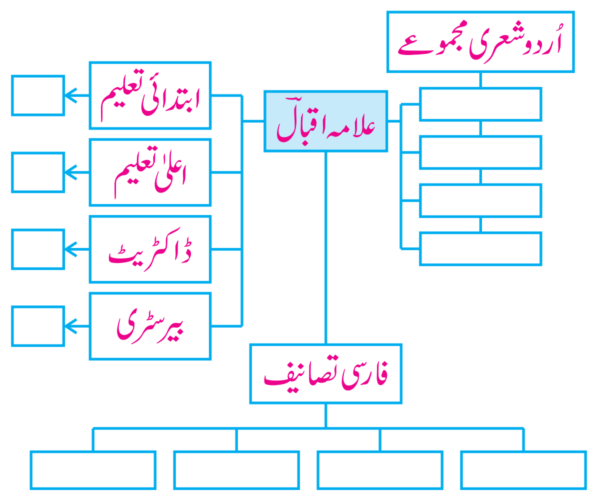

➤ درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر نے کوہ و دمن کا نظارہ کس طرح بیان کیا ہے؟
۲۔ شاعر کو مرغِ چمن کب نغموں پہ اُکسانے لگا؟
۳۔ پھول کی ڈالی پر شبنم کا موتی کس نے رکھا؟
۴۔ آخری شعر سے محاورہ تلاش کر کے لکھیے۔

بول چال

➤ ایک لفظ لکھیے۔

۱۔ چراغِ لالہ سے روشن ہونے والے ☐
۲۔ نغموں پر اُکسانے والا ☐
۳۔ شبنم کا موتی رکھنے والی ☐
۴۔ موتی کو چمکانے والی ☐

➤ پیرہن کے رنگ- ☐-☐-☐

➤ پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے، نہ من تیرا، نہ تن
اس شعر سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

➤ من کی دنیا اور تن کی دنیا کا فرق واضح کیجیے۔

تلاش و جستجو

➤ غزل سے 'واوِ عطف' کی مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

➤ غزل سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

خود آموزی

➤ اپنے استاد سے/ انٹرنیٹ کے ذریعے علامہ اقبالؔ کی شاعری کی خصوصیات معلوم کیجیے۔

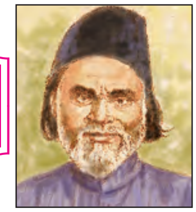

۲۔ غزل

جگؔر مرادآبادی

پہلی بات : اُردو غزل میں انسانی زندگی کے مسائل اور درد و غم کو پُر اثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ انھیں پڑھ کر ہم پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جسے غالبؔ نے اس مصرع میں بیان کیا ہے : ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غزل کے اشعار ہمارے اندر انسانوں سے ہمدردی اور یگانگت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ جگؔر کی شاعری میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے۔

جان پہچان : جگؔر مرادآبادی کا نام علی سکندر تھا۔ وہ ۶/ اپریل ۱۸۹۰ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی علی نظر بھی شاعر تھے۔ جگؔر کم عمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ جگؔر کی شاعری میں عشق کا پہلو ممتاز نظر آتا ہے۔ جگؔر کی شاعری میں سادگی اور روانی کے ساتھ دلکشی، رنگینی، کیف و سرمستی پائی جاتی ہے۔ 'آتشِ گل' اور 'شعلۂ طور' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'آتشِ گل' پر انھیں ساہتیہ اکیڈمی انعام سے نوازا گیا تھا۔ ۹/ ستمبر ۱۹۶۰ء کو گونڈہ میں جگؔر کا انتقال ہوا۔

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے

سلسلہ فتنۂ قیامت کا
تیری خوش قامتی سے ملتا ہے

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اُسی سے ملتا ہے

روح کو بھی مزہ محبت کا
دل کی ہم سایگی سے ملتا ہے

معانی و اشارات

فتنۂ قیامت - قیامت کی بلا/ مصیبت
خوش قامتی - اچھے قد کا ہونا
ہم سایگی - پڑوس میں ہونا

غزل کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

- جان پہچان کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

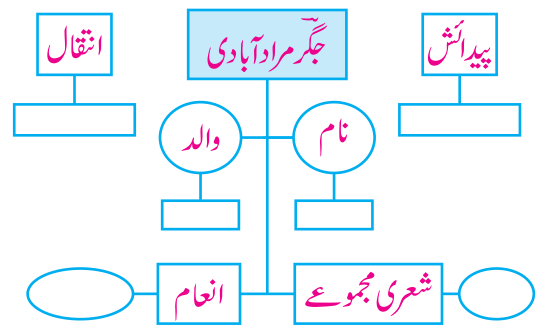

- درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر اپنے محبوب کے ستم کو کیوں بھول جاتا ہے؟

۲۔ پھولوں کا رنگ کس سے ملتا ہے؟

۳۔ شاعر نے محبوب کی خوش قامتی کو کس سے ملتا ہوا بتایا ہے؟

وسعت میرے بیان کی

۱۔ آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
اس شعر میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

۲۔ درج ذیل شعر سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

۳۔ روح کو بھی مزہ محبت کا
دل کی ہم سایگی سے ملتا ہے
اس شعر کا مطلب بیان کیجیے۔

زورِ قلم

- اس غزل کی ردیف لکھیے۔
- اس غزل کا مطلع تحریر کیجیے۔
- غزل کے اُس شعر کی نشاندہی کیجیے جس میں تشبیہ استعمال کی گئی ہے۔
- 'جان پہچان' کی مدد سے جگرؔ کی شاعری کی خصوصیات بتائیے۔

تلاش و جستجو

- جگرؔ مرادآبادی کے کوئی پانچ مشہور اشعار تلاش کرکے اپنی بیاض میں لکھیے۔

اضافی معلومات

ہمیں یہ کرنا چاہیے	ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے
• کسی بھی خبر کو پھیلانے سے پہلے اُس کی خوب تحقیق کرنی چاہیے۔	• کسی کو بُرے القاب سے نہیں پکارنا چاہیے۔
• راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔	• کسی کی ٹوہ میں نہیں رہنا چاہیے۔
• بھوکوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔	• ایک دوسرے کا مذاق نہیں اُڑانا چاہیے۔
• پڑوسیوں کی مدد کرنا چاہیے۔	• ایک دوسرے کو طعنہ نہیں دینا چاہیے۔
• بیمار کی تیمارداری/عیادت کرنی چاہیے۔	• کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ غزل

ناطقؔ گلاوٹھی

پہلی بات : شاعر غزل میں اپنا حالِ دل اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ سننے والوں کو لگتا ہے کہ گویا شاعر نے انھی کے درد کو بڑے پُر اثر انداز میں بیان کر دیا ہے بلکہ جو بات وہ کہہ نہیں پاتے تھے اسے نپے تلے لفظوں میں خوب صورت شعر کی شکل عطا کر دی گئی ہے۔ ذیل کی غزل اسی انداز کی ہے۔

جان پہچان : ناطقؔ گلاوٹھی کا پورا نام سیّد ابوالحسن اور تخلص ناطقؔ تھا۔ وہ ۱۱؍نومبر ۱۸۸۶ء کو کامٹی، ضلع ناگپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا وطن گلاوٹھ، ضلع بلند شہر تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کے خاندان کے چند افراد وسط ہند کی طرف آئے، ان میں ناطقؔ کے والد سیّد ظہور الدین بھی تھے۔ ناطقؔ نے دار العلوم دیوبند سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے شاعری میں بیانؔ میرٹھی اور داغؔ دہلوی سے اصلاح لی۔ 'نطقِ ناطقؔ'، دیوانِ ناطقؔ' (شعری مجموعے) اور 'سبع سیارہ' (مضامین) ناطقؔ کی تصانیف ہیں۔ ۲۷؍مئی ۱۹۶۹ء کو ناگپور میں ان کا انتقال ہوا۔

ڈھونڈتی ہے اضطراب و شوق کی دنیا مجھے
آپ نے محفل سے اُٹھوا کر کہاں رکھا مجھے

ناسمجھ بھی جانتا ہے اور سمجھاتا بھی ہے
میں تو کہتا ہوں کہ پھر ناصح بہت سمجھا مجھے

رہ گئی رکھی ہوئی چارہ گروں کی بھاگ دوڑ
درد اس انداز سے اُٹھا کہ لے بیٹھا مجھے

آپ نے پوچھا تو کہیے آج کس کا حالِ زار
نام بھی اس وقت یاد آتا نہیں اپنا مجھے

ساتھ بھی چھوڑا تو کب، جب سب برے دن کٹ گئے
زندگی تو نے کہاں لا کر دیا دھوکا مجھے

اور پھر قائم کرے گا کون آئینِ وفا
یہ تمھیں کرنا پڑے گا کام ناطقؔ یا مجھے

معانی و اشارات

ناصح	–	نصیحت کرنے والا
رہ گئی	–	بے کار ہوگئی
حالِ زار	–	بری حالت
آئینِ وفا	–	محبت کا قانون/ رواج

غزل کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

◄ جان پہچان کی مدد سے خاکہ مکمل کیجیے۔

ناطق گلاوٹھی
- نام ←
- پیدائش ←
- وطن ←
- اعلیٰ تعلیم ←
- اصلاح ←
- نثری تصنیف ←

◄ درج ذیل سوالوں کے ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر اضطراب وشوق سے کب پریشان ہوا؟

۲۔ علاج کرنے والوں کی کوششیں کیسے ضائع ہوگئیں؟

۳۔ شاعر کے لیے کون سا کام لازمی ہوگیا؟

۴۔ شاعر کو کون ڈھونڈتا ہے؟

۵۔ شاعر نے درد کا اظہار کس طرح کیا ہے؟

۶۔ شاعر کو اپنا نام کیوں یاد نہیں رہا؟

وسعت میرے بیان کی

◄ درج ذیل اشعار کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ ناسمجھ بھی جانتا ہے اور سمجھتا بھی ہے
میں تو کہتا ہوں کہ پھر ناصح بہت سمجھا مجھے

۲۔ ساتھ بھی چھوڑا تو کب، جب سب برے دن کٹ گئے
زندگی تو نے کہاں لا کر دیا دھوکا مجھے

۳۔ اور پھر قائم کرے گا کون آئینِ وفا
یہ تمھیں کرنا پڑے گا کام ناطقؔ یا مجھے

◄ غزل کے دوسرے شعر کی وضاحت کیجیے۔

◄ غزل کے ردیف قافیے الگ کرکے لکھیے۔

◄ علاج اور تیمارداری کرنے والوں کا جس شعر میں ذکر ہے اُسے الگ کرکے لکھیے۔

عکس بر عکس

◄ تضاد کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

خود آموزی

◄ استاد / سرپرست / لائبریری / انٹرنیٹ کی مدد سے ایسے پانچ اشعار تلاش کیجیے جن میں 'ناصح' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔

عبارت آموزی

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو!
اُٹھو ! اہلِ وطن کے دوست بنو
جاگنے والو ، غافلوں کو جگاؤ
تیرنے والو ، ڈوبتوں کو تراؤ
تم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو
لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ملک ہیں اِتفاق سے آزاد
شہر ہیں اِتفاق سے آباد

سوالات :

۱۔ شاعر نے اس نظم میں کون سی نصیحتیں کی ہیں؟

۲۔ تضاد کا شعر لکھیے۔

۳۔ درج ذیل شعر کا مطلب سمجھائیے۔

ملک ہیں اِتفاق سے آزاد
شہر ہیں اِتفاق سے آباد

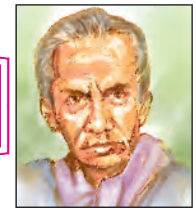

۴۔ غزل

ادیبؔ مالیگانوی

پہلی بات : اس دنیا میں سیکڑوں پیغمبر، فلسفی، دانشور اور عظیم انسان پیدا ہوئے جنھوں نے انسانوں کو زندگی گزارنے کے نئے طور طریقے سکھائے۔ زندگی میں پیدا ہونے والی برائیوں کو محسوس کر کے انھوں نے جینے کی نئی راہ لوگوں کو دِکھائی۔ غلط رسم و رواج کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس کے نتیجے میں انھیں تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ذیل کی غزل کے مختلف اشعار میں ان احساسات کو بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : ادیبؔ مالیگانوی کا اصل نام محمد بشیر تھا۔ وہ ۹؍اگست ۱۹۰۹ء کو مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ حصولِ تعلیم کے بعد انھوں نے معلّمی کا پیشہ اختیار کیا اور صدر مدرّس کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ شعر و ادب کا ذوق انھیں بچپن ہی سے تھا۔ ۱۹۲۰ء میں انھوں نے 'انجمن قصر الادب' قائم کی۔ ۱۹۴۸ء میں ادیبؔ مالیگانوی نے ماہنامہ 'خورشید' کی ادارت بھی سنبھالی۔ انھیں 'شاعرِ حیات، فخرِ مہاراشٹر' اور 'ادیب الملک' جیسے خطابات سے نوازا گیا۔ 'چراغِ رہ گزر، تبسم، شوخیاں، نیرنگ' اور 'قطعاتِ ادیبؔ' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ۱۳؍مئی ۱۹۸۷ء کو مالیگاؤں میں ان کا انتقال ہوا۔

قبول کی نہ زمانے کی پیروی میں نے — نکالی ایک نئی راہِ زندگی میں نے

بڑھا کے حسنِ صداقت سے دوستی میں نے — خرید لی ہے زمانے سے دشمنی میں نے

کمالِ جوشِ جنوں جب گزر گیا حد سے — اُڑائی چاک گریباں کی خودہنسی میں نے

رہے جو سب سے زیادہ مری بُرائی میں — نہ کی، دعاؤں میں ان کے لیے، کمی میں نے

پڑا جو وقت تو عزمِ خلیلؑ لے کے، ادیبؔ
مٹا کے رکھ دیے آدابِ آزری میں نے

معانی و اشارات

پیروی کرنا – کسی کی بات پر عمل کرنا

حسنِ صداقت – سچائی کی خوبی

کمالِ جوش – انتہائی جوش

چاک گریباں – پھٹا ہوا گریبان

آزر – حضرت ابراہیمؑ کے باپ جو بت پرست اور بت تراش تھے

آدابِ آزری – آزر کی طرح زندگی گزارنے کے طریقے (مراد بت پرستی)

مشقی سرگرمیاں

غزل کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

➢ جان پہچان کی مدد سے ادیبؔ مالیگانوی کے تعارف کے شکلی خاکے مکمل کیجیے۔

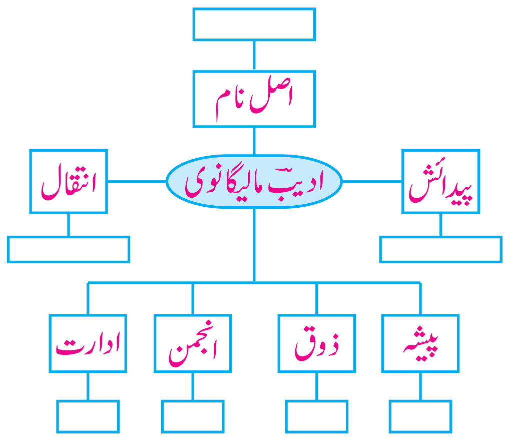

۲۔

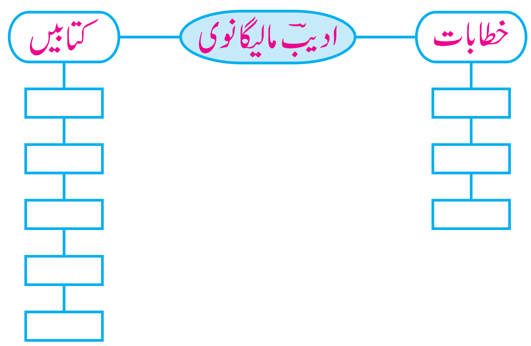

➢ درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر نے نئی راہِ زندگی نکالنے کی کیا وجہ بیان کی ہے؟

۲۔ حسن صداقت سے دوستی کرکے شاعر نے کس کی دشمنی خرید لی ہے؟

۳۔ کمالِ جوشِ جنوں کے حد سے گزر جانے کا انجام کیا ہوا؟

۴۔ سب سے زیادہ برائی کرنے والوں کے ساتھ شاعر نے کیا سلوک کیا؟

۵۔ مقطع کے شعر میں عزمِ خلیلؑ سے کیا مراد ہے؟

➢ شاعر کے حسنِ سلوک کو ظاہر کرنے والا شعر نقل کیجیے۔

➢ غزل سے تضاد کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

➢ غزل سے تلمیح کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

وسعت میرے بیان کی

قبول کی نہ زمانے کی پیروی میں نے
نکالی ایک نئی راہِ زندگی میں نے

اس شعر کے متعلق اپنے خیالات لکھیے۔

زورِ قلم

رہے جو سب سے زیادہ مری بُرائی میں
نہ کی ، دعاؤں میں ان کے لیے ، کمی میں نے

شعر کا مطلب بیان کیجیے۔

تلمیح

نظم 'دلوں میں روشنی کرو' کا شعر پڑھیے ؎

تمھاری ٹھوکروں میں ہے
یہ تختِ جم ، یہ تاجِ کَے

اس شعر میں 'تختِ جم' اور 'تاجِ کَے' کے حوالے آئے ہیں۔ کلام میں جب کسی مشہور واقعے، شخص، مقام یا روایت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اسے 'تلمیح' کہتے ہیں۔ 'تختِ جم' ایران کے بادشاہ جمشید کا تخت ہے اور 'تاجِ کَے' سے ایران کے دوسرے بادشاہ کیقباد کا تاج مراد ہے۔ یہاں شاعر نے 'جمشید' کو 'جم' اور 'کیقباد' کو 'کَے' لکھا ہے۔

➢ غزل کے مقطع میں آنے والے تلمیحی ناموں کی تفصیل معلوم کرکے لکھیے۔

➢ نظم 'فوجِ اعدا میں ہلچل' سے تلمیح کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

۵۔ غزل

غنی اعجاز

پہلی بات : شاعر اپنی تخلیقی صلاحیت سے کام لے کر شعروں میں ایسا رنگ بھرتا ہے کہ الفاظ زندہ ہو جاتے ہیں۔ شاعری کی دیگر اصناف کے علاوہ غزل نے جدید دور میں اپنا دامن بہت وسیع کرلیا ہے۔ عشق و محبت جیسے روایتی موضوعات کے علاوہ روزمرہ زندگی کے مسائل کو غزل نے نہایت کامیابی سے اپنے دامن میں سمولیا ہے۔ غنی اعجاز کی غزلیں اسی مزاج کی نمائندگی کرتی ہیں۔

جان پہچان : غنی اعجاز کا اصل نام عبدالغنی تھا۔ وہ دسمبر ۱۹۲۹ء میں ضلع بلڈانہ کے پیپل گاؤں راجا میں پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں انھوں نے شعر گوئی کا آغاز کر دیا تھا۔ غزل ان کی پسندیدہ صنف رہی ہے۔ 'دشتِ آرزو' اور 'گردِ سفر' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۲۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو اکولہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کلیات 'ناشنیدہ' کے عنوان سے شائع ہوا۔

کچھ تو فکرِ عقبیٰ کر   یوں مت دنیا دنیا کر
خوئے وفا کو اپنا کر   دشمن کو شرمندہ کر
دریاؤں سے ناتا جوڑ   کہساروں میں رَستا کر
نیک کمائی محنت کی   اپنا خون پسینا کر
خانۂ دل میں پیار بسا   بغض و حسد کو چلتا کر
تیرا سایہ ، ساتھی ہوں   میری مان ، بھروسا کر

زندہ تیرا نام رہے
اعجاز ! اب کچھ ایسا کر

معانی و اشارات

عقبیٰ - آخرت
خو - عادت، طور طریقہ
بغض و حسد - عداوت، دشمنی، نفرت
چلتا کرنا - ہٹا دینا، ٹال دینا

غزل کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

- جان پہچان کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

غنی اعجاز
- اصل نام ← ______
- تاریخِ پیدائش ← ______
- تاریخِ وفات ← ______
- کلیات ← ______

- درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ پہلے شعر میں شاعر کیا نصیحت کر رہا ہے؟

۲۔ شاعر خوئے وفا کو کیوں اپنانا چاہتا ہے؟

۳۔ شاعر کس چیز کو ختم کرنے کے لیے کہہ رہا ہے؟

۴۔ شاعر دل میں کس چیز کو بسانا چاہتا ہے؟

۵۔ مقطع کے شعر میں شاعر نے کیا نصیحت کی ہے؟

- غزل سے اُس شعر کو نقل کیجیے جس میں حلال کمائی کا ذکر آیا ہے۔

عکس بر عکس

- غزل سے متضاد الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

- دریاؤں سے ناتا جوڑ
کہساروں میں رَستا کر

اس شعر کی روشنی میں تحریک دینے والا پیغام لکھیے۔

- غنی اعجاز کی غزل کے قافیے لکھیے۔

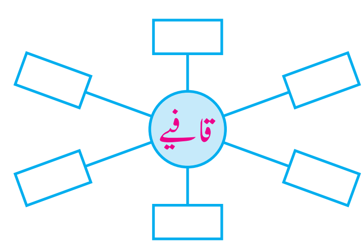

لغت کا استعمال

درج ذیل کے معنی لکھیے۔

۱۔ دنیا دنیا کرنا ← ______

۲۔ خون پسینا کرنا ← ______

تشبیہ

میر تقی میر کا یہ شعر آپ نے سنا ہوگا۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب (ہونٹ) کو گلاب کی پنکھڑی کی مانند بتایا گیا ہے۔ شعر میں جب ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند بتایا جاتا ہے تو اسے 'تشبیہ' کہتے ہیں۔ ان دونوں چیزوں میں کسی نہ کسی طرح کی مشابہت ہونا ضروری ہے۔

تشبیہ میں ایک چیز کو دوسری چیز جیسا بتانے کے لیے کچھ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ (اوپر کی مثال میں حرف 'سی') اس کے علاوہ 'کی طرح / جیسے / نما' وغیرہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان کو حروفِ تشبیہ کہا جاتا ہے۔

- مثنوی 'حزنِ اختر' سے تشبیہ کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔

NRLPPE

۱۰۔ رباعیات

پہلی بات : رباعی شاعری کی مشہور صنف ہے۔ چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں جو مخصوص لے اور آہنگ میں کہی جاتی ہے۔ اخلاق، فلسفہ، تصوف، حکمت و دانائی وغیرہ رباعی کے موضوعات ہیں۔ اِس کے چوتھے مصرعے میں خیال مکمل ہوتا ہے۔

ولؔی دکنی

جان پہچان : ولؔی کا اصل نام ولی محمد تھا۔ وہ ۱۶۶۸ء میں اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ولؔی نے غزل گوئی پر خصوصی توجہ دی اور بہت جلد اسے عروج پر پہنچا دیا۔ انھوں نے فارسی غزل کے مضامین اور تشبیہات و استعارات کو اُردو غزل میں استعمال کر کے اسے خوبصورت بنا دیا۔ ولؔی نے غزل کے علاوہ رباعیات بھی کہی ہیں۔ ۱۷۰۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔

یہ ہستی موہوم دِسے مُج کوں سراب
پانی کے اُپر نقش ہے یہ مثلِ حباب
ایسے کے اُپر دل کوں نہ کر ہرگز بند
اَپس کوں نہ کر خراب ، اے خانہ خراب

مصحفؔی

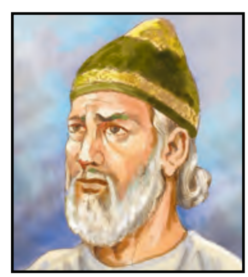

جان پہچان : شیخ غلام ہمدانی مصحفؔی کی پیدائش ۱۷۴۷ء میں اکبر پور (امروہہ) میں ہوئی۔ یہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کی غرض سے وہ دلّی گئے۔ مصحفؔی ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ اُردو، فارسی کے علاوہ عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ مصحفؔی کے کلام میں ملکی خصوصیات اور مقامی رنگ کے علاوہ وطن کی محبت کا جذبہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ ان کی چند مثنویاں مشہور ہیں جن میں 'سردی، اجوائن، غریب خانۂ مصحفؔی، مودی خانہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی اور اُردو میں ان کے آٹھ دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸۲۴ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

ناداں گئے جہاں سے اور دانا بھی
پیدا جو ہوئے ، ہوئے وہ ناپیدا بھی
ہے ہستیِ دنیا تو ہمارے دم سے
جب ہم نہ ہوئے تو گو نہ ہو دنیا بھی

تلوک چند محرومؔ

جان پہچان : تلوک چند محرومؔ یکم جولائی ۱۸۸۷ء کو میاں والی (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ وہ درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ بچوں کے ادب میں ان کا نام اہم ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی ذہنی نشوونما پر خصوصی توجہ دی۔ ان کی زبان آسان اور سادہ ہے۔ 'بہارِ طفلی'، 'بچوں کی دنیا' اور 'گنجِ معانی' اور 'شعلۂ نوا' ان کے شعری مجموعے ہیں جن میں رنگا رنگ موضوعات پر نظمیں ملتی ہیں۔ ۶ / جنوری ۱۹۶۶ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

ہر چیز اگرچہ اب ہوئی مصنوعی
تو اپنی نہ بنا زندگی مصنوعی
صنعت کو فروغ کب ہوا قدرت پر
اُڑ اُڑ کے گرے گی یہ پری مصنوعی

جگت موہن لال رواںؔ

جان پہچان : جگت موہن لال رواںؔ ۱۴ / جنوری ۱۸۸۹ء کو موران واں، ضلع سیتاپور (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے دوران عربی اور فارسی مدرسے میں سیکھی اور لکھنؤ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ رباعی گو شعرا میں انھیں اہم مقام حاصل ہے۔ رواںؔ کی زبان صاف ستھری اور سادہ ہے۔ ان کی رباعیوں میں اخلاقی درس پایا جاتا ہے۔ 'روحِ رواںؔ' ان کی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ ۲۶ / ستمبر ۱۹۳۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔

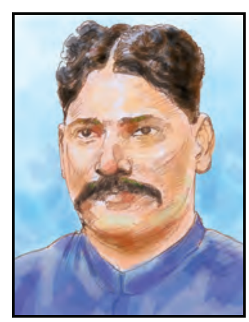

کل صبح نے مسکرا کے تاروں سے کہا
ہوجائیں گے اب تمھارے انوار فنا
تاروں نے کہا ، ہم تو رہیں گے یونہی
تو آئے گی اور ختم ہوجائے گی ، آ

NRVKR2

معانی و اشارات

ہستیِ موہوم	– مُراد فرضی زندگی
دِسے	– دِکھے، نظر آئے
مُج کوں	– مجھے
سَراب	– دھوکا، وہ ریتیلی زمین جو سورج، چاند کی چمک سے پانی کا دھوکا دیتی ہے۔
اُپر	– اوپر
حَباب	– بلبلہ
ناپیدا	– غیر موجود
مصنوعی	– بناوٹی، انسان کا بنایا ہوا
صنعت	– ہنرمندی، کاری گری
انوار	– نور کی جمع، روشنی، اُجالا
فنا	– موت، ہلاکت، بربادی

رباعیات کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

(۱) رباعی

- جان پہچان کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

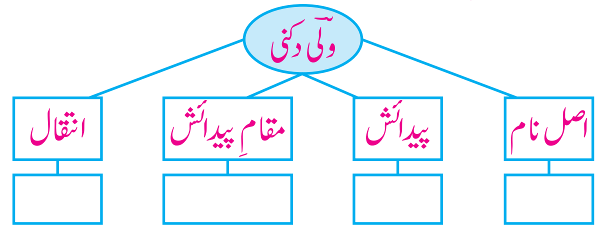

- درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر کو زندگی کیا دِکھائی دیتی ہے؟

۲۔ زندگی کی مثال کس چیز سے دی گئی ہے؟

۳۔ شاعر کیا نصیحت کر رہا ہے؟

- زندگی سے متعلق شاعر کا نظریہ بیان کیجیے۔
- رُباعی سے دکنی الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔
- وَلی کی رباعی کے قافیے لکھیے۔

(۲) رباعی

- جان پہچان کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

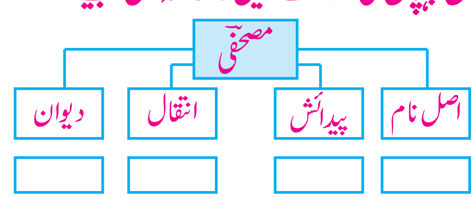

- درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ دنیا سے کون سے لوگ چلے گئے؟

۲۔ رباعی میں شاعر خود اپنے بارے میں کیا کہتا ہے؟

- مصحفی کی رباعی کا مرکزی خیال لکھیے۔
- 'ناداں' کے حروف کی مدد سے ایسے الفاظ بنائیے جن کے معنی یہ ہوں۔

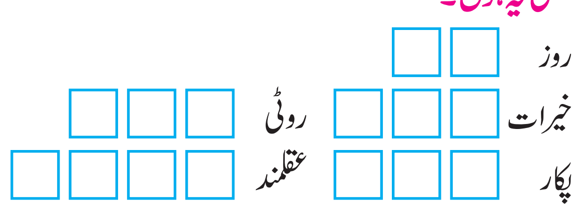

- رُباعی سے متضاد الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔
- 'دنیا کی رونق شاعر کے دم سے ہے' وضاحت کیجیے۔

(۳) رباعی

- جان پہچان کی مدد سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

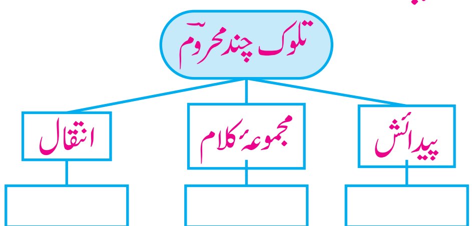

- درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ زندگی سے متعلق شاعر کیا نصیحت کر رہا ہے؟

۲۔ شاعر نے صنعت کو کیا کہا ہے؟

- محرومؔ کی رباعی کا مرکزی خیال لکھیے۔
- صنعت کو فروغ کب ہوا قدرت پر
  اُڑ اُڑ کے گرے گی یہ پری مصنوع
  شعر کا مطلب لکھیے۔

(۴) رباعی

- جان پہچان کی مدد سے خاکہ مکمل کیجیے۔

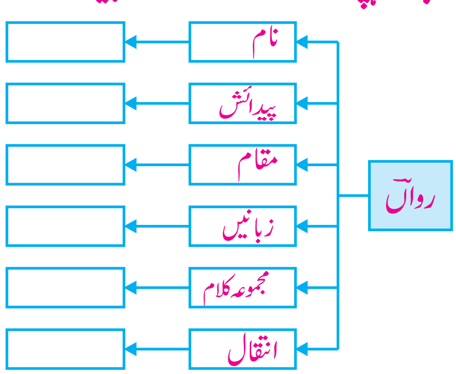

- درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیے۔

۱۔ رواںؔ کی رباعی میں کن کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے؟

۲۔ صبح نے تاروں سے کیا کہا؟

۳۔ تاروں نے صبح کو کیا جواب دیا؟

۴۔ رواںؔ کی رباعی سے کیا سبق ملتا ہے؟

اضافی مطالعہ

۱۔ چچا چھکّن نے خط لکھا

سیّد امتیاز علی تاجؔ

جان پہچان : سیّد امتیاز علی تاجؔ ۱۳/اکتوبر ۱۹۰۰ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے گھر پر پھر اسکول میں ہوئی۔ بچپن ہی سے ذہین تھے۔ اُنھیں کم عمری سے ہی تھیٹر اور ڈراموں کا شوق تھا۔ ۱۹۲۲ء میں اُنھوں نے اپنا شاہکار ڈراما 'انارکلی' لکھا جو دس برس بعد ۱۹۳۲ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ انھوں نے یک بابی ڈرامے، ریڈیو ڈرامے، فلمی کہانیاں اور مکالمے بھی لکھے۔ ان کی کتاب "چچا چھکن کے کارنامے" کو اردو ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ چچا چھکن اردو ادب کا ایک بے مثال مزاحیہ کردار ہے۔ ذیل کے اقتباس میں چچا چھکن ایک خط کا جواب دیتے نظر آتے ہیں۔ ایک معمولی سا رقعہ لکھنے کے لیے وہ جتنا اہتمام کرتے اور جتنا وقت صرف کرتے ہیں، اسے مصنف نے بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ چچا کا طرزِ تحریر اتنا قدیم ہو چکا ہے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے موجودہ دور کے لوگوں کے پاس وقت ہے، نہ دماغ۔ امتیاز علی تاجؔ نے اس سبق میں اس پرانے طرزِ تحریر کو بھی مذاق کا نشانہ بنایا ہے۔ ایک بات یاد رہے کہ اس تحریر میں ساٹھ ستر سال پرانی تہذیب اور رہن سہن کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ چنانچہ لکھنے پڑھنے کا سامان بھی پرانے ڈھنگ کا ہے۔ یہاں فاونٹین پین اور بال پائنٹ پین کی جگہ نب اور ہولڈر کا قلم نظر آتا ہے جس کے لیے دوات اور جاذب کی ضرورت پڑتی ہے۔ ۱۹/اپریل ۱۹۷۰ء کو تاجؔ نے لاہور میں وفات پائی۔

صبح کے وقت چچی دالان میں چارپائی پر بیٹھی بچوں کو چائے پلا رہی تھیں۔ چچا صحن میں کرسی پر اکڑوں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ اتنے میں بندو بھاگتا ہوا آیا اور ایک خط چچی کے قریب رکھ دیا۔ چچا نے پوچھا، "کس کا خط ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس نے بھیجا ہے؟ کیا بات ہے؟"

چچی بگڑ گئیں، "توبہ ہے، خط آیا نہیں اور سوالات کا تانتا باندھ دیا۔ مجھے غیب کا علم تو نہیں کہ دیکھے بغیر بتا دوں، کس کا خط ہے۔"

بندو نے کہا "بیگم صاحب، منصرم صاحب کی بیگم کا آدمی جواب کے انتظار میں کھڑا ہے"۔

یہ سن کر چچا سے چپ نہ بیٹھا گیا۔ پوچھا "کیا لکھا ہے منصرم صاحب کی بیوی نے؟"

چچی نے چائے کی پرچ چُھٹّن کے منہ سے لگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا "رات کے کھانے پر بلایا ہے۔"

"کیا بات ہے؟ کوئی تقریب؟"

چچی نے کسی قدر سرسری انداز میں کہا "بات کیا ہوتی؟ منشی صاحب کی بیوی مجھ سے ملنا چاہتی تھیں، انھیں اور مجھے دونوں کو کھانے پر بلا لیا ہے۔"

باہر ملازم جواب کا تقاضا کر رہا تھا۔ ایسا موقع اور چچا اپنی خدمات پیش کرنے سے رُک جائیں؟ بولے "ہم لکھ دیں جواب؟"

چچی بولیں "نہ بس آپ معاف رکھیے۔ فارغ ہو کر میں آپ ہی لکھ لوں گی۔"

روکے جانے کا باعث چچا کیوں نہ پوچھیں۔ بولے "کیا معنی؟ ہم خط لکھنا نہیں جانتے؟ دعوت منظور کرنے ہی کا خط لکھنا ہے نا!

تو اس کا لکھنا ایسی کون سی جوئے شیر لانا ہے۔"

اتنے میں چُھٹّن نے جلدی سے چائے کا گھونٹ بھرا تو اسے اُچھال آ گیا۔ ساری کی ساری چائے کپڑوں پر آن پڑی۔ چچی "ہائے نامراد" کہتی ہوئی تولیے سے کپڑے پونچھنے لگیں۔ ادھر باہر سے آواز آئی۔

"کیوں صاحب ملے گا جواب؟" چچی نے گھبرا کر چچا سے کہہ دیا "اچھا پھر اب تم ہی یہ لکھ دو کہ آ جاؤں گی"۔

اب کیا تھا، چچا کو منہ مانگی مراد ملی۔ خط و کتابت کے متعلق ضروری سامان فراہم کیے جانے کے احکام صادر ہونے لگے۔

"بندو، میرے بھائی، ذرا لانا تو خط لکھنے کا سامان جھپاک سے۔ کیا کیا لائے گا بھلا؟ قلم دوات اور کاغذ۔ شاباش! مگر کون سے کاغذ؟ آسمانی رنگ کے بڑھیا۔ ہاں دِکھانا تو ذرا اپنی چال اور سنیو... چلا گیا؟ لفافہ بھی چاہیے ہوگا۔ ارے بھئی، کوئی لفافہ بھی تو لاؤ۔ پر نیلے ہی رنگ کا ہو لفافہ۔ لکڑی کے صندوقچے میں رکھے ہیں۔ الماری میں ہوگا صندوقچہ۔ بڑی الماری میں۔ سن لیا نا؟ ذرا پُھرتی سے۔

"ارے ہاں اور جاذب بھی تو لانا ہے بھئی۔ جاذب! جاذب! کوئی نہیں سنتا۔ یہ امامی کہاں گیا؟ او امامی! بس کام نکلنے کی دیر ہے اور یہ غائب۔ کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔ ذرا تم چلے جاتے میاں للّو! وہ جو ہری کاپی ہے نسخوں کی، وہ ہمارے تکیے کے نیچے رکھی ہے۔ اس میں ایک جاذب ہے، وہ نکال لاؤ اور دیکھنا۔ اماں سنو تو۔ بھئی للّو! ارے میاں للّو! او للّو کے بچّے! عجب حالت ہے ان لوگوں کی۔ بس ایسے گھبرا جاتے ہیں جیسے ریل ہی تو پکڑنی ہے۔ دِدّو! تم جا کر کہو، جاذب نہ لائیں، کاپی ہی لے آئیں۔ آخر خط بھی تو کسی چیز پر رکھ کر لکھا جائے گا۔ ہاتھ پر رکھ کر تو میں لکھنے سے رہا۔ اور سننا میری بات۔ وہ کہیں ہمارا چشمہ بھی رکھا ہوگا، وہ بھی ڈھونڈتے لانا۔"

لیجیے صاحب ایک دو منٹ میں گھر کا گھر مصروف ہوگیا۔ ایک کو کوئی چیز مل گئی، دوسرا خالی ہاتھ چلا آ رہا ہے کہ فلاں چیز نہیں ملتی۔ کوئی کہتا ہے، "فلاں چیز مقفّل ہے"۔ کنجیوں کا گچھا ڈھونڈا جا رہا ہے۔ چچا بگڑ رہے ہیں۔ مونچھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔

خدا خدا کر کے تمام چیزیں جمع ہوئیں۔ چچا نے چشمہ لگایا۔ کرسی پر براجمان ہوئے۔ لڑکے چیزیں لیے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ کاغذ سنبھالا، کاپی اس کے نیچے رکھی۔ قلم ہاتھ میں لیا۔ اب دیکھتے ہیں تو اس کا نِب ندارد!

"ہیں! نب کہاں ہے؟ لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ! ابے اندھے، اس سے لکھوں گا خط؟ اس سے لکھنا ہوتا تو میں اپنی اُنگلی سے نہ لکھ لیتا؟ تجھے قلم لانے کو کیوں کہتا؟ میں آج معلوم کر کے رہوں گا یہ حرکت کس نامعقول کی ہے؟"

باہر سے آواز آئی "اجی صاحب جواب کے لیے کھڑے ہیں۔"

چچی یہ سب کیفیت دیکھ رہی تھیں اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ آواز سن کر رہا نہ گیا۔ بولیں "خدا کے لیے لکھنا ہے تو لکھ دو۔ وہ غریب باہر کھڑا سوکھ رہا ہے۔ یہ قلم نہیں تو میرا قلم موجود ہے۔ جا بنّو، میرا قلم لا دے۔"

چچا اس وقت جوش میں تھے۔ چچی پر بھی برس پڑے۔ "تمھاری ہی شہ پا کر تو نوکروں اور بچوں کی عادتیں بگڑ رہی ہیں۔ یہ ضرور ان میں سے کسی کی حرکت ہے۔ کوئی بچہ یا ملازم ہمارے اس قلم سے تفریح کرتا رہا اور اسی نے اس کا نب ضائع کیا ہے۔ سچ بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہے؟"

اتنے میں بنّو چچی کا قلم لے آئی۔ چچا کا آخری فقرہ سن کر اس نے اُن کے قلم پر نگاہ ڈالی تو بولی "ابا میاں، کل آپ ہی نے تو

ازار بند ڈالنے کو اس کا نب اُتارا تھا۔"

چچا نے گھور کر بنّو کو دیکھا۔ قلم کو دیکھا۔ کچھ سوچا۔ کھنکار کر گلا صاف کیا۔ کرسی پر پینترا بدلا۔ کنکھیوں سے چچی اماں پر نظر ڈالی اور قلم بنّو کے ہاتھ سے لے لیا۔ سر جھکا کر انگوٹھے کے ناخن پر اس کا نب پر کھنے لگے۔ بولے "چلو اب اسی سے کام چل جائے گا۔" آواز کا سر بہت مدھم تھا۔

خط لکھنا شروع کیا۔ القاب ہی لکھا ہوگا کہ خط کا کاغذ پھاڑ ڈالا۔ دوسرا منگوایا۔ بہت دیر تک مضمون سوچتے رہے۔ آخر پھر لکھنا شروع کیا۔ نب اتنی دیر میں خشک ہو چکا تھا۔ آپ سمجھے دوات میں سیاہی کم ہے۔ قلم بے تکلف دوات میں ڈال دیا۔ تحریر شروع کرنے کی دیر تھی کہ سیاہی کا یہ بڑا دھبا کاغذ پر! لاحول کہہ کر اس کاغذ کو بھی پھاڑ ڈالا۔ تیسرا کاغذ منگوایا۔ اس پر دو تین سطریں لکھ گئے۔ اس کے بعد قلم روک کر جو کچھ لکھا تھا، پڑھا۔ چچی کی طرف دیکھا، خط کو دیکھا اور چپکے سے پھاڑ ڈالا۔ ہلکے سے مودے سے کہا "خط کے کاغذوں کی کاپی ہی لے آ۔"

کاغذوں کی کاپی کی کاپی آ گئی اور رقعے کا جواب بے فکری سے لکھا جانے لگا۔ کبھی قلم کا شکوہ کہ نب درست نہیں، نیا نب ہے۔ کبھی دوات کی شکایت کہ سیاہی ٹھیک نہیں، پھیکی ہے۔ کبھی جاذب برا کہ یہ جاذب ہے یا پتنگ بنانے کا کاغذ۔ ہر شکوہ ایک نیا کاغذ ضائع کرنے کی تمہید۔ اسی میں پون گھنٹا ہونے آ گیا۔ باہر ملازم آوازوں پر آوازیں دے رہا ہے۔ ادھر چچی یہ قصہ ختم کرنے کا تقاضا کر رہی ہیں۔ بار بار کہہ رہی ہیں، "خدا کے لیے، تم مجھے قلم دوات دو، میں ابھی دو منٹ میں لکھے دیتی ہوں خط۔" مگر چچا اپنی قابلیت کی یہ توہین کیوں کر برداشت کر لیں۔ سٹپٹا گئے ہیں مگر خط لکھنے سے باز نہیں آتے۔ پینترے پر پینترا بدل رہے ہیں اور کاغذ پر کاغذ ردّی کیے چلے جا رہے ہیں۔

غرض پورے ڈیڑھ گھنٹے میں خط ختم ہوا اور اسے جلدی جلدی بند کر کے چچا نے باہر ملازم کے حوالے کیا۔

لیکن لطف اس وقت آیا جب دوپہر کو منصرم صاحب کی بیوی کے ہاں سے پھر ایک لفافہ آیا جس میں چچا چھکن کا لکھا ہوا خط رکھا تھا اور ساتھ ہی اس مضمون کا ایک رقعہ: "پیاری بہن، شاید غلطی سے کسی اور کے نام کا خط میرے نام کے لفافے میں رکھ دیا گیا۔ واپس بھیجتی ہوں۔ براہِ مہربانی ملازم کے ذریعے زبانی اطلاع دیجیے کہ آپ رات کو تشریف لا سکیں گی یا نہیں؟"

چچی نے چچا کا لکھا ہوا خط پڑھا تو اس کی عبارت یہ تھی:

"جمیلُ المناقب، عمیمُ الاحسان زاد عنایتکم۔ یہاں بفضلِ ایزد خیریت ہے اور صحت و تندرستی آپ کی بدرگاہِ مجیب الدّعوات خمس الاوقات نیک چاہتے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ تلطُّف نامہ ساعتِ مسعود میں وارد ہوا۔ طمانیتِ کُلّی ہو کہ وقتِ معیّن پر حاضری کے شرف و افتخار کا حصول مایۂ ناز متصوّر ہوگا۔"

معانی و اشارات

تانتا باندھنا	سلسلہ جاری کرنا	جمیل المناقب	اچھی صفات والا
منصرم	انتظام کرنے والا، منیجر	عمیم الاحسان	عام احسان کرنے والا
پرچ	پیالی، چھوٹی تشتری	زاد عنایتکم	آپ کی عنایت زیادہ ہو

بفضلِ ایزد	-	اللہ کے فضل سے
بدرگاہ	-	حضور میں
مجیب الدعوات	-	دعائیں قبول کرنے والا مراد اللہ تعالیٰ
خمس الاوقات	-	پانچوں وقت، مراد ہمیشہ
تلطّف نامہ	-	مہربانی نامہ، کرم نامہ
ساعتِ مسعود	-	نیک ساعت یا بابرکت موقع
طمانیتِ کُلّی ہو	-	پورا اطمینان رہے
متصوّر ہوگا	-	تصوّر کیا جائے گا، سمجھا جائے گا

مشقی سرگرمیاں

ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ بندو نے چچی کو کیا لاکر دیا؟

۲۔ چچی کو دعوت پر کس نے بلایا تھا؟

۳۔ چھٹن کو اچھال کیوں آیا؟

۴۔ گھر کے تمام افراد کیوں مصروف ہو گئے؟

۵۔ قلم دیکھ کر چچا چھکن کیوں چراغ پا ہوئے؟

۶۔ منصرم صاحب کی بیوی نے چچا چھکن کا خط کیوں لوٹا دیا؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ چچا چھکن کو خط لکھنے کا موقع کس طرح حاصل ہوا؟

۲۔ خط لکھنے میں کیوں دیر ہو رہی تھی؟

۳۔ چچا چھکن کو خط لکھنے کی اجازت ملنے پر گھر کے افراد پر اس کا کیا اثر ہوا؟

۴۔ چچی چچا چھکن پر کیوں خفا ہو رہی تھیں؟

مفصل جواب لکھیے۔

۱۔ خط لکھنے کے لیے چچا چھکن نے کیا کیا چیزیں مانگیں؟

۲۔ اس سبق کے ذریعے چچا چھکن کے کردار کی کن خصوصیات کا پتا چلتا ہے؟

وسعت میرے بیان کی

متن کے حوالے سے درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ ”مجھے غیب کا علم تو نہیں کہ دیکھے بغیر بتادوں، کس کا خط ہے۔“

۲۔ ”اچھا پھر اب تم ہی یہ لکھ دو کہ آجاؤں گی۔“

۳۔ ”چلو اب اسی سے کام چل جائے گا۔“

۴۔ ہر شکوہ ایک نیا کاغذ ضائع کرنے کی تمہید۔

زورِ بیان

چچا کے بارے میں مصنف کے ان جملوں کا استحسان کیجیے۔

۱۔ مونچھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

۲۔ آواز کا سُر بہت مدھم تھا۔

بول چال

ذیل کے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

تانتا باندھنا۔ خفیف ہونا۔ جوئے شیر لانا۔

منہ مانگی مراد ملنا۔ پیچ و تاب کھانا۔

زورِ قلم

۱۔ اپنے دوست یا سہیلی کو خط لکھ کر اس کی سالگرہ کی تقریب میں شریک ہونے کی اطلاع دیں۔

۲۔ چچا چھکن کا خط اپنے الفاظ میں لکھیے۔

NS5GSP

۲۔ تربوز

نظیرؔ اکبر آبادی

پہلی بات : کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہیں۔ ان میں چاند، سورج، زمین، آسمان، پیڑ، پودے، پھل پھول وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ کی تخلیق کردہ ان چیزوں سے انسان بے شمار فائدے حاصل کرتا ہے۔ مختلف موسموں میں حاصل ہونے والے پھلوں کی مختلف خصوصیات ہوتی ہیں۔ موسمِ گرما کے پھلوں میں تربوز مشہور ہے۔ موسمِ گرما میں گرمی کی شدت کو کم کرنے میں تربوز کی اپنی اہمیت ہے۔

جان پہچان : ولی محمد نظیرؔ اکبر آبادی ۱۷۴۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ دہلی کے حالات خراب ہوئے تو وہ آگرہ چلے آئے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں حقیقت کی دلچسپ تصویر پیش کی۔ سادہ الفاظ سے ماحول کی منظر کشی کرنا نظیرؔ کا خاص کمال ہے۔ نظیرؔ اُردو کے عوامی شاعر کی حیثیت سے مقبول ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں ہندوستانی میلوں، تہواروں اور سماجی ماحول کی عکاسی کی ہے۔ 'بنجارہ نامہ، آدمی نامہ، ریچھ کا بچہ، کلجگ، برسات کی بہاریں، ہولی، دیوالی' وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔ ۱۶/ اگست ۱۸۳۰ء کو آگرہ میں ان کا انتقال ہوا۔

کیوں نہ ہو سبز زُمرّد کے برابر ، تربوز   کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر ، تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر ، تربوز   جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر ، تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے   ہونٹھ چپکے ہیں ، جدا دانت ہیں کرکر بجتے
شب کو دو چار منگا کر جو تراشے میں نے   کیا کہوں میں ، کہ مٹھائی میں وہ کیسے نکلے
کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دے کر پیسا   اُس میں ٹانکی جو لگائی تو وہ کچّا نکلا
دیکھ تیوری کو چڑھا، ہوکے غضب، طیش میں آ   کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا
کیوں بے لایا ہے اُٹھا کر یہ مرا سر ، تربوز

جب کہا میں نے میاں ، یہ تو نہیں ہے کچّا   اور کچّا ہے تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا
اس کے سنتے ہی غضب ہوکے وہ لال اَنگارا   لاٹھی پاٹی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا
کھینچ مارا مرے سینے پر اُٹھاکر تربوز

خلاصہ : تربوز ہرے رنگ کا ایک پھل ہے۔ یہ اپنی رنگت میں قیمتی ہیرے زمرد کی برابری کرتا ہے۔ تربوز کھانے سے کلیجے میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ گرمی کے موسم میں بازار میں ہر طرف تربوز ہی تربوز نظر آتے ہیں۔ یہ اتنے میٹھے ہوتے ہیں کہ ہونٹ ایک دوسرے سے چپک جاتے ہیں۔ ایسے سرد ہوتے ہیں کہ اُسے کھانے سے دانت کر کر بجنے لگتے ہیں۔ میں نے دو چار تربوز منگا کر تراشے تو پایا کہ مزے میں کوئی اولا ہے، کوئی مصری اور کوئی شکر جیسا ہے۔ کل میرے دوست نے پیسے دے کر مجھ سے تربوز منگوایا۔ وہ کچا نکلا تو ناراض ہوکر کہا کہ یہ تربوز ہے یا میرا سر۔ میں نے عرض کیا کہ میاں، یہ کچا نہیں ہے اور اگر کچا بھی ہے تو میں اس کے پیٹ میں بیٹھ کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ سن کر وہ غصّے میں آ گیا اور اس نے وہی تربوز میرے سینے پر کھینچ مارا۔

معانی و اشارات

تخلیق کردہ	-	پیدا کیا ہوا
عام فہم	-	سب کی سمجھ میں آ جانے والا، آسان
کلجگ	-	برا زمانہ، ہندو عقیدے کے مطابق چوتھا یگ
زمرد	-	سبز رنگ کا ایک قیمتی پتھر
تئیں	-	لیے، واسطے، خود کو
مٹھائی	-	مٹھاس
اولا	-	ایک قسم کی مٹھائی
ٹانکی لگانا	-	چھری مارنا
لاٹھی پاٹی	-	لکڑی ڈنڈا

NSECUC

مشقی سرگرمیاں

نظم کا بغور مطالعہ کر کے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

➢ **جان پہچان کی مدد سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔**

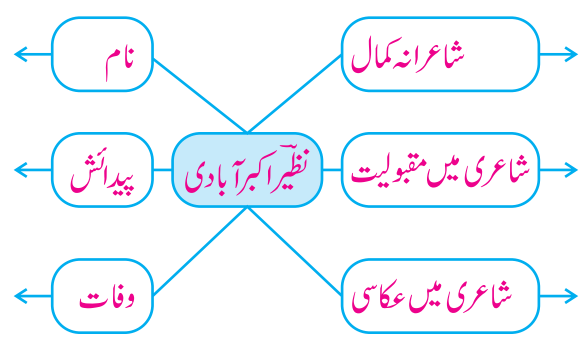

➢ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ شاعر نے تربوز کو کس کے برابر کہا ہے؟

۲۔ پہلے بند میں شاعر نے تربوز کے کیا فائدے بتائے ہیں؟

۳۔ دوسرے بند میں شاعر نے تربوز کی تعریف کن الفاظ میں کی ہے؟

۴۔ تربوز کو دیکھ کر دوست کیوں غصہ ہو گیا؟

۵۔ تربوز کے کچا ہونے کا پتا کیسے چلا؟

۶۔ دوست کے غصّے کے جواب میں شاعر نے کیا کہا؟

➢ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ دوسرے بند کی تشریح اپنے الفاظ میں کیجیے۔

۲۔ دوست نے تربوز اُٹھا کر شاعر کے سینے پر کیوں مارا؟

تلاش و جستجو

➢ **تربوز سے متعلق الفاظ دیے ہوئے ہیں۔ لفظ کی مناسبت سے نظم سے مصرعے تلاش کر کے لکھیے۔**

جسامت ، فائدہ ، میٹھا ، خراب

زورِ قلم

➢ **تربوز پر پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔**

سرگرمی/منصوبہ :

➢ **نظیرؔ اکبر آبادی کی نظم 'ککڑی' حاصل کر کے پڑھیے۔**

इयत्ता ५ वी, ८ वी शिष्यवृत्ती परीक्षा मार्गदर्शिका

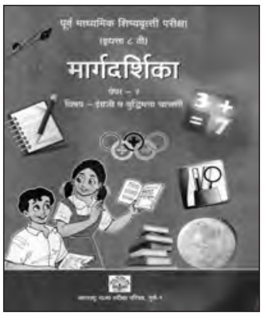

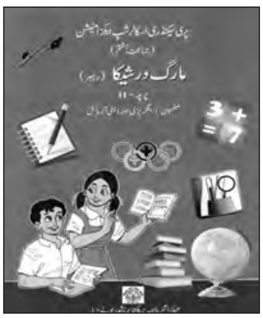

- मराठी, इंग्रजी, उर्दू, हिंदी माध्यमामध्ये उपलब्ध
- सरावासाठी विविध प्रश्न प्रकारांचा समावेश
- घटकनिहाय प्रश्नांचा समावेश
- नमुन्यादाखल उदाहरणांचे स्पष्टीकरण

पुस्तक मागणीसाठी www.ebalbharati.in, www.balbharati.in संकेत स्थळावर भेट द्या.

साहित्य पाठ्यपुस्तक मंडळाच्या विभागीय भांडारांमध्ये विक्रीसाठी उपलब्ध आहे.

ebalbharati

विभागीय भांडारे संपर्क क्रमांक : पुणे - ☎ २५६५९४६५, कोल्हापूर- ☎ २४६८५७६, मुंबई (गोरेगाव) - ☎ २८७७१८४२, पनवेल - ☎ २७४६२६४६५, नाशिक - ☎ २३९१५११, औरंगाबाद - ☎ २३३२१७१, नागपूर - ☎ २५४७७१६/२५२३०७८, लातूर - ☎ २२०९३०, अमरावती - ☎ २५३०९६५

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ-۴۱۱۰۰۴

बालभारती इयत्ता आठवी (उर्दू)

₹ 49.00